جلد ۹۱ جولائی ۱۹۷۹ء عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

تفہیم القرآن

پارۂ اوّل ــــ سُورۃ الفاتحہ والبقرہ ــــ سُورۃ التوبہ ــــ سُورۃ الفرقان
سُورۃ العنکبوت ــــ سُورۃ لقمان ــــ سُورۃ الاحزاب ــــ سُورۃ یٰسٓ
سُورۃ الفتح ــــ سُورۃ الحجرات اور ــــ سُورۃ الرحمٰن ــــ کے بعد

تفسیر تیسواں (۳۰) پارہ

اِدارہ ترجمان القرآن کے روایتی معیار کے
مطابق شائع کیا گیا ہے۔ آج ہی آرڈر بک کرائیں

○

ولایتی کاغذ ــــ آفسٹ طباعت ــــ خوب صورت کور

سائز: ۲۲ × ۱۸ / ۸

○

ھدیہ: بیس (۲۰) روپے

○

اِدارہ ترجمان القرآن ○ اِچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

عدد ۵	جولائی ۱۹۷۹ء مطابق شعبان ۱۳۹۹ھ	جلد ۹۱

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر —— ۴۱۱۰۱۶ —— ۴۱۱۰۱۷

زر سالانہ بیس روپے۔ فی پرچہ ۲/- روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پچھلی مرتبہ اشارات کے صفحات میں انتخابات کے لیے کام کرنے کے لیے جذبۂ کار کو روبعمل لانے کے لیے جو کچھ عرض کیا گیا تھا، وہ محض اندھی امید پر مبنی نہیں تھی بلکہ اس میں شہری اور خصوصاً دیہاتی علاقوں میں بے تکلفانہ انفرادی سطح پر کام کرنے کے جس نہج کو سامنے لایا گیا تھا۔ وہ ایسا ہے کہ مشکل ترین حالات میں بھی کامیابی کا راستہ نکالا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے پہلے بھی کبھی ملک گیر پیمانے پر ایک بھرپور مہم اس طرح کی نہیں اٹھائی گئی، اور اب بھی اندیشہ ہے کہ جلسوں، تقریروں، پوسٹروں اور بیانوں سے کام لینے کے دیرینہ اور نسبتاً آسان انداز پر اکتفا کیا جائے۔ میں نے انفرادی سطح پر رابطہ عوام یا ماس کنٹکٹ کی جو لائن تجویز کی ہے اس پر اگر جلسوں، تقریروں، پوسٹروں اور بیانوں کی اجتماعی مہم کے ساتھ ساتھ بھرپور کام کیا جائے تو اس تجربہ کے نتائج حیرت انگیز ہوں گے۔ کوئی بھی تحریک اور تبدیلی کا کوئی بھی پروگرام اگر ہر بار کچھ نئے انداز و اسالیب سے کام لینے کے بجائے چند آزمودہ طریقوں پر قناعت پسندانہ جمود اختیار کر لے تو وہ تھوڑا بہت حصہ تو ضرور حاصل کر لیتا ہے مگر کوئی بڑی پیشقدمی نہیں کر سکتا۔ میری اس اسکیم کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام ارکان، کارکنان اور ہمدردان، اسلامی ذہن کے طلبہ، کسان اور مزدور، سب کے سب میدان میں نکلیں، حتیٰ کہ خواتین بھی پورا حصہ لیں اور ۱۰۰ مکمل ملاقاتیں فی کس (خواتین کے لیے نصف) ۹۰ دنوں کے لیے لازم کر دی جائیں، خواہ دو دو تین تین افراد کے وفد نکلیں اور اپنا ٹوٹل یکجا کر کے دو سو یا تین سو ملاقاتوں کی حد پوری کریں۔

اس تجویز پر کما حقہ شاید توجہ نہیں دی گئی، اور اگر موجودہ سیاسی نظام ہی قائم رہا تو حالات میں کوئی بڑی تبدیلی لانا ممکن نہیں ہوگا۔

پھر ایسا بھی نہیں کہ میں نے سابق اشارات لکھتے ہوئے بین الاقوامی اور ملکی حالات کی غیر معمولی پیچیدگیوں کو خارج از توجہ چھوڑ دیا ہو۔ ایسا نہیں، میں نے سارے حالات کو سامنے رکھا ہے اور ان کے علی الرغم ایک مجاہدانہ مہم اٹھانے سے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔

بین الاقوامی حالات پر تو براہ راست دسترس نہیں، مگر ملکی حالات کی حد تک حکومت سنجیدہ و مخلص ارباب دین و سیاست کی مدد سے ایسے اصلاحی و انسدادی اقدامات کر سکتی ہے کہ انتخابات کے لیے فضا کو ناسازگار بنانے والے وجوہ و اسباب کم سے کم حد تک باقی رہ سکیں۔ ہو سکے تو ہمیں ملکی احوال کی اصلاح کے لیے سیاسی، فکری، صحافیانہ اور ملاقات و گفتگو کے دائروں میں محنت کرنی چاہیے۔ ہر کام جس کا نقشہ میں پیش کر رہا ہوں، اگر پوری طرح ہو جائے تو غلط عناصر کے ابھرنے کا امکان ہی نہیں رہتا، اور اگر اس کا کچھ ضروری حصہ تکمیل پا سکے تو کم سے کم خیر کی قوتوں کو غلبہ ضرور حاصل ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے تو میں اس پروپیگنڈے سے تعرض کرنا چاہتا ہوں جو آنے والے انتخابات کے خلاف بلکہ ان کو رکوانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے، اور جس میں بہت سے مخلص خادمانِ دین کی تعداد بھی شامل ہے۔ ہمارے نہایت ہی محترم و مخلص علماء سے لے کر ان کے ہم خیال عوام تک یہ کہتے ہیں کہ اگر انتخابات اعلان کردہ وقت پر ہوئے تو احیائے اسلام کے اس کام کو سخت نقصان پہنچے گا جس کا ابھی آغاز ہی ہوا ہے۔ لہٰذا انتخابات کے مقابلے میں مفادِ دین کی اشد زیادہ اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الحال انتخابات کی بحث کو لپیٹ دیا جائے۔ اس مخلصانہ پروپیگنڈے کے ساتھ جو زورِ استدلال ہے اسی کی وجہ سے ہر خیر طلب آدمی تامل میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ پچھلے چند ماہ میں تو مخالفِ انتخابات فضا کا ایسا زور تھا کہ خود مجھ سے سرکاری اور غیر سرکاری، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ جو لوگ بھی ملتے رہے، ان کی ۵۰ فیصد تعداد انتخابات کے حق میں نہیں تھی۔ کچھ وہ تھے جو کہتے تھے کہ جی انتخابات کی باتیں ہی باتیں ہیں عملاً یہ ہوں گے نہیں۔ کریدنے پر وہ یہ بھی کہتے رہے کہ حالات میں ایسے بگاڑ پیدا ہو جانے کا امکان ہے کہ جو التوائے انتخابات کی وجہ بن سکیں۔ کچھ وہ تھے جن کا خیال یہ تھا کہ دینی و سیاسی جماعتوں کو بار بار انتخابات کا مطالبہ کرنے کے بجائے الٹا اپنا اثر ڈال کر انہیں رکوانا چاہیے۔ تاکہ کچھ عرصے میں شرعی قوانین اور اسلامی مالیات اور دیگر اصلاحات کا نفاذ ہو جائے۔

بات دل کو لگتی ہے، مگر دماغ کچھ اور مسائل کو اٹھا دیتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ موجودہ حکومت کی طرف سے احیائے دین کی سرگرمیوں کی رفتار کچھ عرصے سے دھیمی پڑ گئی ہے، اسلامی احکام و قوانین کے اجراء کے بعد عملاً اُن کے نفاذ کے لیے، یا اُن سے سرکاری یا عوامی حلقوں کو روکنے کے لیے کوئی حرکت نہیں ہوتی، جرائم اور بدعنوانیوں اور قانون شکنیوں کا دَور دَورہ اتنا بڑھ رہا ہے کہ اسلام اور اسلامی نظام اور اسلامی قانون کی تضحیک تک نوبت پہنچ رہی ہے۔ مظلوموں کی فریادیں اُوپر تک پہنچ نہیں سکتیں۔ اور نیچے والے اُن کی پروا نہیں کرتے۔ معاشی حالات ابتر اور گرانی ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے۔ مخالفِ اسلام نظریات و تحریکات نے ہر طرف سر اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ یہ خرابئ احوال جس میں کوئی کمی نہیں آ رہی بلکہ اضافہ ہو رہا ہے، اگر اسی طرح جاری رہی تو اُس کی لہروں میں اسلام کے بارے میں اعلانات اور احکام سارے بہ جائیں گے موجودہ نظام حکومت کے تحت ایک مشکل یہ ہے کہ سوچنے والے عناصر موجودہ مشینری پر اثر انداز ہونے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ لوگ سب کچھ دیکھتے ہیں اور اپنی جگہ گھٹ کے رہ جاتے ہیں —— چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بہت مخلص مسلمان ہیں، مگر وہ اکیلے ہو کر تو کام نہیں کر سکتے۔ اُن کے ساتھ اُن کے فوجی رفقاء کی ایک کونسل ہے۔ ان کے کچھ سول وزیر و مشیر ہیں اور نیچے ایک بیوروکریسی کا طلسماتی نظام ہے۔ کوئی بھی خیال ان مختلف مراحل سے نکل کر آخر میں کیسی بھی شکل و صورت اختیار کر لیتا ہے فیصلے صحیح اور مفید ہوں یا غلط اور مضر، پبلک کی نگاہوں میں ذمہ داری جنرل ضیاء الحق کے سر آتی ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے گرد آہستہ آہستہ تضادات کا ایک حلقہ بن گیا ہے۔ یہ کہنے کے لیے تو ہمارے پاس کوئی دلیل قاطع نہیں ہے کہ کوئی نادیدہ قوت یا کوئی حلقہ ایسا ہے جو اُن کو اس حلقے میں گھیر کر کوئی نتیجہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اتنا ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ہم آپ سب حالات کی گردشوں پر اثر انداز ہونے سے معذور ہیں۔

اب اگر یہ حالت جاری رہنی ہے تو نہ اسلام کے لیے مفید ہے، نہ اُن علماء اور قائدین کے لیے جو اسلامی درد رکھتے ہوئے انتخابات کی مخالفت کرتے ہیں، اور نہ جنرل ضیاء الحق یا مجموعی طور پر پاکستان کے لیے۔ موجودہ دَور مقبولیت اور پسندیدگی، عوام کے جس نقطۂ عروج تک پہنچا ہے، آج بہر حال اس پر نہیں ہے اور نہ اسے سنبھال کرنے کے لیے کوئی زور دار کام ہوتا نظر آتا ہے۔ اندریں صورت

اسلام اور جنرل محمد ضیاء الحق کے مارشل لاء اور دینی و سیاسی عناصر اور عوام کی بھلائی کا تقاضا یہی ہے کہ اس صورتِ حالات سے نکلنے کے لیے اگر انتخابات یا کسی بھی ذریعے سے دروازہ کھلتا ہو تو اس سے ضرور فائدہ اٹھایا جائے۔

بصورت دیگر اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں مارشل لاء کی حکومت کے لیے خدانخواستہ ویسا مرحلہ نہ آجائے جیسا پہلے ایوب خاں اور پھر یحییٰ خاں کی حکومت کو پیش آیا کہ اقتدار کسی کے سر منڈھا اور بھاگو۔ یہ مرحلہ بڑا اضطراری ہوتا ہے اور بھاگتا ہوا حکمران یہ دیکھتا ہے کہ جلدی میں جو سامنے آجائے، قبالۂ حکومت اسی کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔ ایسی صورت کا نتیجہ کسی انتخابی نتیجہ سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ بس سب کے لیے بہتر یہ ہے کہ اضطراری لمحے کے آنے سے پہلے پہلے ہنستے ہنسا تے مارشل لاء حکومت سول حکومت کی جمہوری تشکیل اپنے ہاتھوں اطمینان سے کرا دے۔

اس بحث میں ضمناً بڑے زور سے یہ نکتہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ آخر یہ انتخابات اپنی موجودہ شکل میں اسلام سے مطابق کب ہیں کہ ان کے انعقاد پہ زور دیا جائے۔ وہاں تو مطلوب ایک امیر اور اس کے ایسے مشیراں ہیں جو عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُم کے معیار پہ پورے اترتے ہوں۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ دلیل اس حمیت کے ساتھ کسی معتدبہ عنصر نے اب سے پہلے کبھی نہیں اٹھائی بلکہ ان مواقع پہ بھی کبھی نہیں اٹھائی جو دستور سازی کی تاریخ میں اہم ترین مواقع تھے۔ ۲۲ علماء کے متفقہ دستوری نکات میں یہ موجود نہیں۔ پہلی دستوری رپورٹ کی کامیاب استردادی مہم میں اسے نہیں اٹھایا گیا۔ دوسری دستوری رپورٹ پہ مختلف مکاتیبِ فکر کے علماء نے جو متفقہ ترامیم تیار کیں (اور شائع شدہ موجود ہیں) ان میں یہ شامل نہیں۔ ۱۹۶۵ء کا دستور مکمل ہوا تو اسے تمام حلقوں نے بہ حیثیت مجموعی ایک بہترین اسلامی دستور کی حیثیت سے قبول کیا۔ بعد کے دورِ ایوبی میں جب کہ انتخابی نقشہ بدل دیا گیا، انتخابات کے کسی اسلامی نقشے کو پیش کرنے کے لیے کوئی نمایاں کام نہیں ہوا۔ یحییٰ خان کے دور میں نہیں ہوا۔ بھٹو کے دور میں نہیں ہوا، آخر اس نکتے کو آج ہی کیوں اہمیت ملی؟

دستوری امور میں ہمیشہ برسوں لمبے کام کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر مرحلہ پہ مرحلہ خواص و عوام کے ذہن تیار کرنے کے لیے محنت جاری رہتی ہے۔ اس راستے میں اچانک کوئی نیا تجربہ نہیں کیا جا سکتا اور

کیا جائے تو ناکام بھی ہوتا ہے اور سارے سیاسی و دستوری ماحول کو خراب بھی کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی اصولوں پر کسی انتخاب کے طریقے کے حق میں کیوں مسلسل کام نہیں کیا گیا، کوئی لٹریچر فراہم نہیں کیا گیا، کوئی متعین صورت کسی کے سامنے نہیں ہے۔ بس یہ گول مول حکم ہے کہ سامنے کا انتخاب غیر اسلامی نقشے پر ہونے والا ہے، لہٰذا اسلام والوں کو اس سے دلچسپی نہیں ہو سکتی بلکہ اسے رکوانا اُن کا فرض ہے۔

یہ اتنا آسان معاملہ نہیں کہ بطریقِ فتویٰ ایک حکم دے دیا جائے۔ کسی مروجہ طریقے سے خواص و عوام کے ذہن کو اکھیڑنا، پھر کسی مثبت صورت پر اُن کو مطمئن کرنا ضروری کام ہے جو وقت چاہتا ہے۔ توضیح کے دَور میں کیا یہ کافی ہے کہ مارشل لا کو جاری رہنے دیا جائے جس کے بہتر ہونے کا انحصار صرف اس پر ہے کہ ایک اچھا آدمی اسے چلا رہا ہے۔ وہ اگر کسی وجہ سے نہ رہے تو کیا ضمانت ہے اس بات کی کہ بعد میں بھی مارشل اپنے سابق رنگ کو برقرار رکھے گا۔

پھر مسئلہ ایک انتخابات ہی کا نہیں ہے، مالیات کے نظام کا بھی ہے۔ دفتری نظام کا بھی ہے زرعی نظام کا بھی ہے اور زندگی کے ہر شعبے کے معاملات کا ہے۔ کیا ان سب دائروں میں چلتے ہوئے نظاموں کو بیک جنبش لسان وقلم معطل و موقوف کر دیا جائے۔

کسی نظامِ رائج کو اگر آپ منہدم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی خرابیوں کے دلائل سے قوم کو مطمئن کیجیے۔ دوسری طرف متبادل نقشہ سامنے لائیے اور اس نقشہ کو بھی قوم کے لیے قابلِ قبول بنائیے۔ اس وقفے میں جو نظام چل رہا ہو۔ اس میں تھوڑی بہت اصلاحات کر کے اس سے کام لیتے رہیے۔

حکومت اور سیاسی و دینی جماعتوں اور عوام سب کو پہلے یہ طے کر لینا چاہیے کہ انتخابات کا مقصد کیا ہے؟ اس کے ذریعے آنے والے نمائندوں سے آپ کیا کام لینا چاہتے ہیں اور وہ کیسے لوگ ہونے چاہییں۔ انتخابات کا مقصد اگر لامقصدیت ہے، یعنی جو بھی قوتیں اُبھر آئیں وہ جو کچھ بھی کرنا چاہیں کریں تو پھر کسی سوچ بچار کی ضرورت نہیں ہے۔ کشتی کو چھوڑ دیجیے اور لنگر کو توڑ دیجیے۔

لیکن میرا خیال یہ ہے کہ انتخابات سے سب کا مقصد یہ ہے کہ داخلی طور پر غلبۂ اسلام کے لیے جس کام کا آغاز ہوا ہے، وہ زیادہ بہتر طور پر اور زیادہ اچھی رفتار سے تکمیل پائے۔ سیاسی حلقوں میں نفرت

اور تشدد پسندی اور انتقام کے جو فاسد رجحانات پھیلے ہوتے ہیں وہ ختم ہوں، جرائم اور بدعنوانیوں کا خاتمہ ہو، مجموعی طور پر ایک ایک فرد ظلم کی ہر شکل سے نجات پا جائے اور بین الاقوامی لحاظ سے پاکستان کا وقار بڑھے، اس کے معاملات میں بیرونی مداخلتوں کا سلسلہ نہ چل سکے، کوئی بھی عالمی قوت اسے اپنے شکنجے میں پڑا ہوا شکار نہ سمجھے، مسلم ممالک میں سے اسے برادرانہ رفاقت کا مقام حاصل ہو اور وہ عالمی اسلامی وحدت اور احیائے اسلام کی مختلف تحریکوں کی پشت پناہی کا ذریعہ بنے۔

کام اگر یہ سامنے ہے تو نمائندگان اس کام کے شایانِ شان سامنے آنے چاہییں۔

لوگوں کو بلاشبہ آپ زبردستی کسی طرح ہانک نہیں سکتے، ترغیب ہی دلا سکتے ہیں اور ترغیب دلانے والی دوسری قوتیں بھی ہیں جن کا ذہن اور طرح کام کرتا ہے۔ پھر متذکرہ مقصدِ انتخابات کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟ صرف یہ کیا جا سکتا ہے کہ انتخابات کے لیے بہتر ماحول فراہم کیا جائے، جو وجوہ و اسباب ذہنوں میں خلل اندازی کرتے ہیں ان کا زور توڑنے کی صورتیں نکالی جائیں، اور خود انتخابی عمل میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ خراب عناصر کو مشکل سے آگے بڑھنے کا راستہ ملے۔

اس سلسلے میں اہم اور مؤثر تدابیر عرض کی جا رہی ہیں:

انتخابات جب کبھی انتشار و اضطراب کی حالت میں منعقد ہوتے ہیں تو ان سے مثبت نتائج نہیں نکلتے، بلکہ پریشان فکر جذباتی عوام کو بہکانے کے فن کا بھی ماہر اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ عوام صبر و سکون سے نہ پارٹیوں کے منشوروں پر غور کر سکتے ہیں، نہ ملکی مسائل و ضروریات پر توجہ دے سکتے ہیں اور نہ نمائندوں کے خیالات و کردار کی پرکھ کر سکتے ہیں۔ بس ایک طرح کی سرسامی کیفیت میں ووٹنگ مجنونانہ عمل کے طور پر ہوتی ہے بعد میں عوام اگر تلخ تجربات کو بھگت کر پچھتائیں بھی تو کیا ہو سکتا ہے۔ پچھلی مرتبہ مسلسل ۶ سال تک جو عذاب قوم کے سیاسی و دینی عناصر کے ساتھ ساتھ عوام نے بھگتا ہے۔ اس کا شعور اگرچہ سیاست کے مرعوبیت زدہ، غیر تعلیم یافتہ، سادہ لوح طبقوں کو نہیں ہو سکتا، مگر اس کی ایک ملک گیر ناخوشگواری کے سمی اثر سے غیر شعوری طور پر ہر شخص نے کچھ اس انداز سے حصہ پایا ہے جیسے فضائیں کڑوے دھوئیں کے پھیل جانے پر عالم اور ان پڑھ ہر کسی کی ناک اور آنکھوں کو تلخی محسوس ہوتی ہے۔ اس تلخی کی ذمہ داری اصل ذمہ داروں نے چاہے دوسروں پر ڈالنے کی ہزار کوششیں کی ہوں مگر اس کے باوجود وہ اس کے اثرات

سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

پس انتخابات سے بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے ایک بڑی تدبیر یہ ہے کہ اضطرابی فضا کو انتخابات سے پہلے پہلے ختم کر دیا جائے یا اس کا زور زیادہ سے زیادہ امکانی حد تک توڑ دیا جائے۔

سب سے بڑا مسئلہ اس حالتِ خوف کا ہے جس میں عوام جرائم اور بدعنوانیوں کے اس طوفان کی وجہ سے گھرے ہوئے ہیں جو مارشل لا کی آمد پر ابتداً قدرے کم ہوئے تھے، پھر بڑھنے لگے، اور اب اسلامی قوانین کے اجرا کے اعلان کے بعد تو خاصے زور پر ہیں۔ جانیں، مال، عزتیں اور آزادیاں محفوظ نہیں ہیں۔ انتظامیہ اور پولیس سے کم حضر مدد نہیں ملتی بلکہ کبھی تو کوتوال الٹا مجرم کی حمایت کرتا ہے اور جرم کا نشانہ بننے والوں کو اپنے عتاب کا نشانہ بھی بنا لیتا ہے۔ دفتری نظام کے ذریعے دادرسی انتہائی مشکل ہو گئی ہے۔ شریف لوگ جائز حقوق حاصل نہیں کر سکتے اور تیز طرار عناصر ناجائز مفاد اٹھا لیتے ہیں۔ لوگ درخواست گذاری کے چکر سے ڈرتے ہیں اور اگر کوئی قضیہ سر آ پڑے تو درخواستیں لیے دفتر بہ دفتر اور میز بہ میز گھومتے ہیں مگر درخواستوں کو پہیے لگائے بغیر کام نہیں نکلتا۔

اس صورت حالات کو سمجھنے کے لیے محکموں اور اداروں کی تفصیلی رپورٹوں میں ڈوبنے کی ضرورت نہیں، آپ کسی ایک ہفتہ کے دو تین محتاط اور سنجیدہ اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے، جرم اور خیانت کے واقعات کی رپورٹیں جمع کر کے اگر ان کا صرف ۵۰ فیصد حصہ بھی درست تسلیم کیا جائے تو موجودہ معاشرے میں زندگی ایک بڑی آزمائش ہے۔ معاشرے نے پچھلے چند برسوں میں گویا مجبور ہو کر جرم اور خیانت کے آگے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور ہر کوئی بڑی حد تک تن بہ تقدیر ہو گیا ہے کہ جو کچھ سر آئے گی اُسے بھگتنا ہو گا۔

جرم اور خیانت کی منحوس قوتوں کے خلاف اگر ہماری حکومت کوئی مؤثر لڑائی لڑنے پر تیار ہو تو اس کے لیے تدبیر و تجاویز بہت ہو سکتی ہیں، لیکن اصول یہ ہونا چاہیے کہ جہاں کہیں اس طرح کا کوئی واقعہ نمودار ہو بالائی افسروں کی توجہ اپنے مقامی کارکنوں پر مرتکز ہو جائیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ دوسری طرف ہر درخواست دہندہ اور شکایت کنندہ اور تھانے میں آنے والے فریادی کی پکار پر پوری انتظامیہ کو توجہ دینی چاہیے، اور کوئی بازپرس کا نظام ہونا چاہیے کہ کسی درخواست پر دو ہفتہ میں کیا کارروائی ہوئی۔ (باقی)

حضورِ اکرم —— سراپا رحمت

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۱)

حضورؐ اکرم رحمت للعالمین ہیں اور یہ صفت صرف آپؐ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ جس طرح سارے جہانوں کا پالنے والا رب للعالمین ہے۔ اور اس کے سوا یہ صفت کسی میں بھی نہیں ہے۔ اسی طرح رب للعالمین نے رحمت للعالمین کی صفت کہ وہ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں، صرف حضورؐ اکرم کے لیے مخصوص رکھی ہے۔ یہ صفت رسولؐ اکرم کے سوا دوسرے کسی میں بھی نہیں ہے۔ یہ مالک کی دین ہے اور وہ اپنی ربوبیت اور فیاضی میں بے نہایت و بیکراں ہے۔

حضورؐ اکرم خاتم النبیین ہیں۔ اُن کے بعد دوسرا کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اور جب آپؐ کے بعد دوسرے کسی نبی نے بھی نہیں آنا ہے تو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لیے اُس کے مالک کی طرف سے کامل ترین اور موزون ترین جو ہدایت نامۂ زندگی دیا گیا ہے۔ وہ حضورؐ اکرم کی معرفت نازل ہو چکا ہے۔ اب اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات میں کامل اور اکمل ہے اور اس میں کسی کمی کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ انسانی فطرت کے عین مطابق اور اس کی دینی اور دنیوی تمام ضروریات میں رہنمائی دینے میں منفرد ہے۔ حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اس دُنیا کی آخری اُمت ہیں اور اُن کے پاس خدا کا آخری پیغام قرآن ہے اور اب دُنیا کی رہنمائی اور ہدایت اُن کے ہی ذمے ہے۔ اب مسلمان دُنیا کی گمراہی میں غیر جانبدار نہیں ہو سکتے جس طرح نبیوں میں آخری نبی حضورؐ اکرم ہیں اور ان کے ذمے خدا کا کلام پہنچانا اور اس پر عمل کر کے دکھانا تھا جو آپؐ نے بہترین طریقے پر

سرانجام دے کر دکھا دیا۔ اس طرح دنیا کی تمام قوتوں کے مقابلے میں اب یہ کام مسلمانوں کا ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں تک دین اسلام پہنچائیں اور اسلام پر عمل کر کے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر کے دکھائیں تاکہ دنیا پر اتمام حجت ہو جائے۔ ایسی صورت میں جہاں حضورؐ کا خاتم النبیین ہونا اور مسلمانوں کا خاتم الامم ہونا بہت بڑا مقام شکر ہے وہاں یہ منصب بڑی آزمائش کا کام بھی ہے۔ اگر یہ کام مسلمان سرانجام دیں تو وہ خدا کے ہاں بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور دنیا کے لوگ اپنے کیے کی خود جوابدہی کرتے اور بھگتے ہیں اور اگر وہ یہ کام سرانجام نہ دیں اور نہ اسلام کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے رکھیں تو کافروں سے پہلے مسلمان پکڑے جاتے ہیں کہ ہدایتِ دنیا کا نسخہ تو ان کے پاس موجود ہے اور دنیا کی گمراہی خود اس کے ذمے لگانے کے لئے ان کی مساعی کی تعداد کا اتمام حجت کی حد تک ہونا ضروری ہے۔

حضورؐ رحمۃ للعالمین بھی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کا لایا ہوا نظام زندگی جو آخری ہے، یہ صرف آخری ہی نہیں بلکہ یہ ساری دنیا کے لئے رحمت و برکت کا ذریعہ بھی ہے۔ گویا اسی نظام میں اب دنیا کی فلاح و بہبود پوشیدہ ہے۔ اس پر چل کر دنیا تباہی سے بچ سکتی ہے، اس کی ہدایت کے ذریعے وہ گمراہ لوگوں کے ایجاد کردہ ہتھیاروں کی تباہی سے بچ سکتی ہے، اس کی مدد سے وہ اپنے طبقاتی، لسانی، علاقائی، قومی، معاشی سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی مسائل حل کر سکتی ہے۔ اس نظامِ رحمت میں اس کی فلاح، اس کی سلامتی اور اس کی ترقی کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ نظامِ رحمت کی دستگیری سے انسان تباہی کے گہرے کھڈ میں گرنے سے بچ سکتا ہے۔ حضورؐ کا لایا ہوا نظام ہی آخری بھی ہے اور رحمت بھی۔ اس کا آخری ہونا اس کے کامل ہونے کی اور اس کا رحمت ہونا، اس کے دنیا بھر کے انسانوں کے لئے فلاح عام کا ضامن ہونے کی دلیل ہے اور جب حضورؐ اکرم اس نظام کے لانے والے اور غالب کرنے والے ہیں تو وہ خود بخود رحمت للعالمین ہیں، چونکہ دنیا اس نظامِ رحمت سے ان کی معرفت ہی آشنا ہوئی ہے، جو نظام رحمت کامل و مکمل بنا کر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی طرف اپنے آخری پیغام کے طور پر اتارا ہے، چونکہ حضورؐ رحمت للعالمین ہیں اس لئے اپنے بعد حضورؐ سارے جہانوں کے لئے، سارے گروہوں، طبقوں، قوموں، نسلوں اور علاقوں کے لئے رحمت ہیں ان کے بعد اب دنیا کو کسی نئے انسان اور نئے نظام کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا تربیت دیا ہوا انسان جس کا مثالی نمونہ صحابہ کرامؓ ہیں اور ان کا پیش کیا ہوا نظام جو دین اسلام ہے اس کے بعد کسی دوسرے نمونے کے انسان اور کسی دوسرے طرز کے نظام کی انسانیت کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نظام انسانیت کے

لیے کامل اور کافی ہے۔
حضورؐ اکرم ہمہ پہلو اور ہمہ جہت رحمت ہیں۔ انہوں نے بندوں اور خدا کے درمیان شعوری رشتہ قائم کیا اور انہیں ان کے مالک سے ملا یا۔ حضورؐ نے انسانوں کو ان کی بصیرت کی آنکھوں سے ان کے خدا کا جلوہ دکھایا۔ انہوں نے دلوں کو پاک، روحوں کو روشن، دماغوں کو درست، طبیعتوں کو معاملہ فہم اور مطمئن اور جسموں کو پاک و صاف کیا۔ حضورؐ نے اپنی تعلیم سے امنِ عامہ کو مستحکم کیا اور اپنی تربیت سے انسانوں کو انسانی مرتبے سے بھی اونچا کر کے مسلمان بنایا۔ حضورؐ نے انسانوں کی ضروریات کے مطابق انہیں ایک سہل ترین دین عطا فرمایا۔ حضورؐ نے غربت، امارت، جوانی، بڑھاپا، صلح و جنگ، فقر و بادشاہی، رنج و مراجعت اور الم و مسرت کے ہر پیمانے میں انسان کی رہبری اور رہنمائی کی۔ اور اسے زمین پر جابروں اور قہاروں کی ماری ہوئی مخلوق اور فطرت کی طاقتوں سے سہمی ہوئی انسانی آبادی نہیں بلکہ اسے دینی تعلیم و تربیت سے اشرف المخلوقات کے حقیقی مقام تک پہنچایا۔ حضورؐ نے ذراتِ خاک میں اور قطراتِ آب میں، اڑتے بادلوں میں اور چڑھتی گھٹاؤں اور کوندتی بجلیوں میں، زمین کی پستیوں اور بلندیوں میں اور خاک کی خشکیوں اور تریوں میں ذاتِ خداوندی کے جلوے انسان کو دکھائے۔ حضورؐ نے دشمنوں کو اخلاق کے اسلحہ سے فتح کیا۔ دوستوں کو اپنی دلفریب تعلیم و تربیت سے اپنا جانثار بنایا۔ حضورؐ نے انسانوں میں سے مال، نسل اور رنگ کے تمام امتیازات کو یکسر مٹا کر انہیں آدم کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے بھائی بھائی بنا دیا۔ حضورؐ نے نام و نسب کے بت اس طرح پاش پاش کر دیے کہ بلالؓ و خبابؓ کو حضرت عمرؓ "ہمارے مولا" کہنے لگے اور سلمانؓ فارسی کے لیے سب سے بڑا بلند نسب یہی ٹھہرا کہ سلمان ابن اسلام ابن اسلام ہیں۔
رحمۃ للعالمین انصاف کا سرچشمہ ہیں، عدل کا مرکز ہیں، حالات کا پیکر ہیں، حریت کا فرمان ہیں۔ آپؐ جنگ کو کلمۂ حق کو بلند کرنے اور کمزوروں کی مدد کرنے کے سوا باقی ہر مقصد کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔ حضورؐ نے انسانوں کو اللہ کی تعلیم دے کر انہیں بہتر انسان اور خدا کے نیک بندے بنایا اور اخلاق کی خدمت کر کے انہیں مزید بہتر انسان بننے کی طرف رہنمائی کی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لیے سراپا رحمت ہیں، اور ہر وہ شخص جس کا واسطہ آپ سے پڑا اس نے انہیں اپنے لیے شفقت و رحمت کے سوا کچھ نہ پایا۔ اس لیے ہر شخص حضورؐ سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور جو شخص بھی ایمان لاتا وہ صرف چند اصولوں پر ایمان نہ لاتا تھا بلکہ حضورؐ کا جان نثار

فدائی بن جاتا تھا۔ چنانچہ آپؐ کی طرف سے مسلمانوں کے محرمات کی تحریم اور ان کے حقوق کا احترام اور اُن پر شفقت و رحمت کے بے شمار ارشادات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں پر شفقت رہیے (سورہ حجر)

فرمایا: جس شخص نے کسی کو بچا لیا گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا (مائدہ)

فرمایا: مسلمان، مسلمان کے لیے مکان کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصّہ دوسرے سے انگلیوں کی طرح پیوست ہے اور حضورؐ نے یہ کہہ کر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر دکھائیں۔

فرمایا: کوئی مسلمان بازار میں سے نیزہ لے کر گزرے تو اُس کے ایک حصّے کو ہاتھ سے تھام لے تاکہ کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔ (بخاری)

فرمایا: مسلمان کی مثال باہمی محبت کرنے میں جسم کی مانند ہے کہ ایک حصہ تکلیف سے متاثر ہو تو سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے (مسلم)

اپنے ایک صحابی حضرت اقرعؓ بن حابس سے حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اُس پر بھی کوئی رحم نہیں کرتا" (مسلم، بخاری)

اپنے ساتھیوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے اس لیے کہ اُن میں کمزور، بیمار، اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔ اور جب خود تنہا پڑھے تو جتنی چاہے لمبی اور طویل نماز پڑھے"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرمؐ کی اپنی اُمت پر شفقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"رسول اکرمؐ کسی عمل کو محض اس لیے چھوڑ دیتے تھے حالانکہ وہ آپ کو پسند ہوتا تھا مگر اس خوف سے کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے، اور پھر یہ چیز ان پر فرض کر دی جائے گی" (بخاری مسلم)

حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور اس بات کا ارادہ کرتا ہوں کہ نماز کو دراز اور طویل کروں گا، پھر کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں اور اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ یہ بات اس کی ماں پر شاق گزرے گی"۔ (بخاری)

حضورؐ نے فرمایا اور حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو اس کے دشمنوں کے سپرد کرے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جو شخص مسلمان سے اس کی تکلیف دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں قیامت کے دن اس کی تکالیف کو دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا۔" (بخاری مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس سے خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے، اور نہ اس کو رسوا اور شرمندہ کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کی عزت و آبرو، اس کا مال اور اس کا خون، تقویٰ اس جگہ ہے (حضورؐ نے سینے کی طرف اشارہ فرمایا) انسان کی یہ خرابی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر و ذلیل سمجھے۔" (ترمذی)

حضورؐ کے اس مزاج رحمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

"اے پیغمبر یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد سے چھٹ جاتے۔" (آل عمران - ۱۰۹)

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مزید تعلیم عفو و درگذر دیتے ہوئے فرمایا:

"پس ان کے قصور معاف کر دو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔" (آل عمران ۱۰۹)

اور یہ کہ:

"اے نبی، ان سے نرمی و درگذر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کرتے رہو اور جاہلوں سے نہ الجھو۔" (اعراف ۱۸۹)

حضورؐ کے بارے میں فرمایا گیا۔

"اور ہم نے تمہیں سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (الانبیاء ۱۰۰)

دوسری جگہ حضورؐ کے بارے میں فرمایا گیا۔

"البتہ آیا ہے تمہارے پاس ایسا رسول جو تم ہی میں سے ہے، اسے تمہاری تکلیف نہایت گراں گذرتی ہے۔ وہ تمہارے فائدے کا حریص ہے اور ایمان والوں پر بڑا شفیق و مہربان ہے۔" (التوبہ ۱۲۸)

حضورؐ کی نرم مزاجی شفقت اور خدا کے بندوں کے ساتھ نرمی کا مظہر یہ بھی تھا کہ آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر خندق کھودتے، ٹوکری اٹھاتے، اینٹیں ڈھوتے، لکڑیاں جمع کرتے، جوتے اور کپڑے مرمت کرتے، اور دودھ دوھ لیتے، بازار سے سودا سلف لے آتے اور پڑوسیوں کے کام اکثر کر دیا کرتے تھے۔

حد یہ ہے کہ جب مکہ میں قحط پڑا تو آپؐ نے اُن جان کے دشمنوں کو غلہ اور اشرفیاں امداد کے طور پر روانہ کیں[1]۔ اور جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو جنہوں نے سینکڑوں اصحابِ رسول کو شہید کیا تھا جو خود حضورؐ کی جان کے دشمن تھے۔ ساری لڑائی جن کے دم قدم سے برسوں جاری رہی تھی جب وہ مفتوح ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔"

ایک جہاد میں ایک غیر مسلم عورت کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو بار بار افسوس کا اظہار فرمایا۔ فرماتے تھے:

"یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی تھی، اس کو کیوں مار دیا گیا۔"

ایک بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تو صحابہؓ اُسے مارنے دوڑے، آپؐ نے انہیں روکا اور پھر بدو سے کہا "یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اسے ناپاک کرنا بُری بات ہے۔" بدو حضورؐ کی بات سمجھ کر نادم ہوا اور چلا گیا۔ جب کسی سے کوئی غلطی بار بار ہوتی تو کبھی نام لے کر نہ ٹوکتے بلکہ اکثر خطبہ دیتے ہوئے فرماتے:

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا کرتے ہیں، اس طرح جس شخص نے وہ کام کیا ہوتا وہ متنبہ ہو جاتا اور آئندہ ایسے عمل سے باز رہتا اور لوگوں میں رسوائی سے بھی محفوظ ہو جاتا۔"

قرآن نے خود حضورؐ کے بارے میں گواہی دی ہے۔

"اے محمد، (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو" اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم ۴)

---

[1] رسالہ زندگی ص ۸۶

جب حضورؐ پر وحی پہلی بار اتری تو آپ بے حد گھبرائے اور ایک غیر مانوس واقعہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہو کر گھر تشریف لائے۔ آپؐ نے آتے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا کہ اُنہیں کمبل اوڑھا دیا جائے۔ انہیں اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس پر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے حضورؐ کے کردار پر جو گھر کی گواہی پیش کی وہ یہ تھی:

"آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، قرضداروں کے قرض کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں، یتیموں پر شفقت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:-

"حضورؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔ آپؐ دو باتوں میں آسان صورت اختیار فرماتے۔ آپؐ کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہ لیتے۔ آپؐ نے کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپؐ نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا۔ آپؐ نے کسی کی کوئی درخواست کبھی رد نہیں فرمائی"۔

حضورؐ کا معمول تھا کہ کسی سے ملنے پر ہمیشہ پہلے خود سلام کہتے اور مصافحہ میں جس سے ہاتھ ملاتے کبھی پہلے ہاتھ خود نہ کھینچتے، مجلس میں زانو آگے نکال کر نہ بیٹھتے۔ آپؐ فرمایا کرتے "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو"۔

حضرت انسؓ خادم خاص روایت کرتے ہیں "میں دس سال تک حضورؐ کی خدمت میں رہا، لیکن حضورؐ نے میری کسی بات پر کبھی اُف تک نہیں کہا"۔

شاہ حبش نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی تو اُس کی مہمان نوازی میں خود سرگرم رہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم یہ کام کریں گے، فرمایا:

"ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گذاری کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت گذاری کرنا چاہتا ہوں"

ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا آنے دو، یہ قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے"۔ لیکن جب وہ حاضر ہوا تو آپؐ نہایت خلق و نرمی سے پیش آئے۔

حضرت عائشہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ آپؐ تو اسے اچھا نہ کہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

" خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔"

ایک سفر میں کھانا پکانے کے وقت صحابہؓ نے کام آپس میں تقسیم کر لیے تو حضورؐ نے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کام ہم کر لیں گے۔"

آپؐ نے فرمایا" مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے ممتاز بن کر رہوں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا" کمال صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرے رشتہ دار بے تعلقی کریں تو اُن کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے اور اُن کا حق ادا کرے" (بخاری)

حضورؐ نے فرمایا" خدا کی قسم وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جس کا پڑوسی اس کی تکالیف سے محفوظ نہ ہو" (بخاری)

ارشاد ہوا۔" غلام کا یہ حق ہے کہ اُسے کھانا اور کپڑا دیا جائے اور اُس پر کام کا صرف اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جس کو وہ سہار سکتا ہو۔" (مسلم)

فرمایا: " مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔"

یہ سارے پہلو حضورؐ کی مبارک ہستی کے سراپا رحمت ہونے کے پہلو ہیں اور ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ غزوۂ احد میں جب کفار نے آپؐ کو زخمی کر دیا تو صحابہؓ پر یہ امر بہت شاق گذرا، وہ کہنے لگے کاش رسول اللہ ان پر بددعا کرتے اور وہ ہلاک ہو جاتے۔"

آپؐ نے فرمایا: میں لعنت کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ میں حق کی دعوت اور جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں "

حضورؐ ایک باغ کے پاس سے گذر رہے تھے کہ ایک اونٹ زور زور سے بلبلایا، آپؐ نے اُس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اس کے مالک کو بُلا کر کہا:

" اس جانور کے بارے میں خدا سے ڈرو۔"

ایک بار ایک صحابی ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لے آئے۔ آپؐ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا" ابو مسعود اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔"

ابو مسعودؓ یہ بات سن کر خوفزدہ ہو گئے اور غلام کو آزاد کر دیا۔

حضورؐ نے فرمایا:

"ہر حساس جاندار جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہے اس کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے" (بخاری)

حضورؐ نے فرمایا: "مومن اپنے حسنِ اخلاق سے زائد شب زندہ اور دائم الصوم کا درجہ حاصل کر لیتا ہے" (ابوداؤد)

آپؐ نے مزید فرمایا: "جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا"۔ (مسلم)

حضورؐ نے فرمایا "قیامت کے دن ان لوگوں کو پکار کر اُن کا اجر دیا جائے گا جو دُنیا میں لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے"۔ رحمۃ للعالمین نے فرمایا: "جو آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اُس کے درجے بلند ہوں اُس کو چاہیے کہ وہ اُس آدمی سے درگذر کرے۔

"جس نے اس پر ظلم کیا ہو، اور اُس کو دے جس نے اُس کو نہ دیا ہو اور اس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اُس سے رشتہ توڑا ہو اور اُس کے ساتھ تحمل کرے جس نے اُس کو بُرا کہا ہو"۔ (ابوہریرہ)

ایک شخص نے پوچھا:

"یا رسول اللہ، میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں، آپؐ نے فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لیے رحم نہیں ہے اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے"۔ (بخاری مسلم)

ایک صحابی عبداللہؓ بن حسا کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے ایک سودا کیا اور کچھ دیر بعد میں ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا اور پھر بھول گیا۔ تیسرے دن میرا اِدھر سے گذر ہوا تو آپؐ اُسی جگہ میرے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر بس صرف اتنا ہی فرمایا:

"تم نے مجھے تکلیف دی میں تین دن سے اسی جگہ تمہارے انتظار میں ہوں۔

ایک بدو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خوف اور رعب سے کانپنے لگا۔ آپؐ نے اسے فرمایا خوف نہ کھاؤ میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی"۔

ابوسفیان نے اسلام کے دورِ بےکسی میں مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھائے، حضورِ اکرمؐ سے

قریش کی تمام لڑائیوں میں کفار کا سردار اور سرغنہ رہا ۔ حضورؐ کے مقابل درحقیقت ظالم اور جارحیت پسند کفر کا سرخیل وہی تھا ۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک بدر کا بدلہ نہ لوں گا، آرام نہ کروں گا ۔ غرض آغاز دعوتِ اسلامی سے فتح مکہ کے دن تک اسلام کے ساتھ کفر کی تمام تر کشمکش میں کفر کی رہنمائی کی باگ ڈور ابوسفیان کے ہاتھ میں ہی تھی اور عرب کا ہر شخص جانتا تھا کہ اسلام کے فروغ میں ابوسفیان کی تباہی ہے اور ابوسفیان کی کامیابی میں مسلمانوں کی ظاہری ناکامی ہے ۔ اس لیے ہر شخص سمجھتا تھا کہ جب مکہ فتح ہوگا تو سب سے پہلا مقتول کفر کا سرغنہ ابوسفیان ہوگا لیکن دُنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ حضورؐ نے اُسے معاف کر دیا ۔ معاف ہی نہیں بلکہ اُس کے گھر کو عوام کے لیے پناہ گاہ بنا دیا ۔

حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ ابوسفیان عزت پسند آدمی ہے آپؐ اُسے کچھ عطا کیجیے ۔ آپؐ نے فرمایا بے شک جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے ۔

حضور اکرمؐ مکہ میں فاتحانہ داخل ہو گئے لیکن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے آپؐ سے جنگ کی اور شکست کھا کر فرار ہو گیا ۔ پھر اس نے آپؐ سے امان طلب کی تو آپؐ نے اُسے امان بھی دی اور مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا ۔

آپؐ نے اسلام کے بدترین دشمن صفوان بن امیہ کو امان دی ۔ وہ شکست کھا کر یمن کی طرف بھاگ گیا تھا اور زمین اُس کے لیے تنگ ہو گئی تھی ۔ وہ خودکشی کا ارادہ کر رہا تھا جب ایک صحابی رسول اکرمؐ کا عمامہ بطور نشانِ امان لے کر پہنچا اور اُسے جان بخشی کی خوشخبری سنائی ۔

حارث کے بیٹے ابوسفیان شاعر نے ہجو لکھ کر حضورؐ کو سخت اذیت پہنچائی تھی ۔ فتح مکہ کے بعد وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا ۔ آپؐ نے فرمایا "میرے پاس اس کے آنے کی ضرورت نہیں ۔ اس نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی اور میری توہین کی ۔ ابوسفیان شاعر نے کہا میں اور میرا بیٹا جنگل میں نکل جائیں گے اور وہاں بھوکوں مر جائیں گے اگر آپؐ ہمیں حاضر ہونے کی اجازت نہ دیں گے ۔" حضورؐ پر اس کے ان جملوں سے رقت طاری ہو گئی اور اُسے معاف کر دیا ۔

مکہ فتح ہو گیا تھا اور کعبے کا طواف ہو رہا تھا کہ ایک شخص جو بظاہر مسلمان ہو چکا تھا لیکن ابھی ایمان نہ لایا تھا ۔ فضیلہ بن عمر نے حضورؐ کو طواف کے دوران حملہ کر کے قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ۔ جب وہ آپؐ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے فرمایا "کون فضالہ ہے" اُس نے کہا ہاں یا رسول اللہ ۔ آپؐ نے فرمایا :-

"تم کیا سوچ رہے تھے؟"

اُس نے کہا: "کچھ بھی تو نہیں"

حضورؐ مسکرائے اور فرمایا "فضالہ خدا سے توبہ کرو" اور پھر اپنا دست مبارک اُس کے دھڑکتے ہوئے سینہ پر رکھا اور اُسے تسکین ہو گئی۔

حبشی وحشی نے حضورؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا۔ حضورؐ کو اس کا بڑا قلق تھا۔ اس نے بتایا کہ جب میں فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے سامنے حاضر ہوا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوا تو آپؐ نے میری طرف دیکھا۔

فرمایا۔ "کون، تم وحشی ہو؟"

عرض کیا: "ہاں یا رسول اللہ۔

آپؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، مجھ سے یہ بیان کر کہ تو نے حمزہ کو کس لیے قتل کیا"

چنانچہ وحشی کہتا ہے کہ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

اس کے بعد حضورؐ نے صرف اس قدر فرمایا "افسوس ہے تجھ پر، تجھے دیکھ کر مجھے اپنے چچا کی یاد آتی ہے۔ تو مجھ سے اپنا چہرہ چھپا لے۔ تاکہ میں تجھے دیکھ نہ سکوں" چنانچہ حضورؐ نے اپنے محبوب چچا کے قاتل وحشی کو بھی معاف کر دیا۔

فتح مکہ پر حضرت علیؓ کعبۃ اللہ کی کنجی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے اُٹھے۔ اور کہا "یا رسول اللہ! سقایت کے ساتھ ساتھ حفاظت اور نگہبانی کا منصب بھی ہمیں عطا فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا "عثمان بن طلحہ (کعبے کا سابق کنجی بردار جو آخر تک حضور کا دشمن رہا تھا) کہاں ہے؟ وہ آیا تو حضورؐ نے فرمایا "عثمان یہ کنجی تمہیں دی جاتی ہے۔ آج کا دن احسان اور وفاداری کا دن ہے"۔

طائف کے بنی ثقیف کا وفد مدینہ میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں یا لیل بن عمرو کا بیٹا بھی شامل تھا جنہوں نے حضورؐ پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ آپؐ نے ان سب کو معاف کر دیا اور انہیں مال و انعام دے کر رخصت کیا۔ انتہا یہ ہے کہ جنگ ہوازن کے قیدی تک بلا معاوضہ رہا کر دیئے جنہوں نے اسلام کو سخت ترین نقصان پہنچایا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کی شفقت و رحمت کی صفت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

"تمہیں میں سے تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے جس پہ تمہاری تکلیف بہت شاق ہے، وہ تمہارا دلدادہ ہے اور مومنوں پہ بے حد مہربان اور شفیق و رحیم ہے"۔

مساکین، فقرا کے ساتھ تو آپؐ کی محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے انہیں میں اپنی زندگی اور موت کی دعا مانگی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اکرم فرماتے تھے۔

"اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں ہی موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت کے ساتھ اُٹھا"۔

اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ایسی دعائیں کیوں کرتے ہیں"۔ تو حضورؐ نے فرمایا:

"مسکین لوگ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اے عائشہؓ مسکین کو خالی ہاتھ مت لوٹانا۔ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی انہیں دے دینا۔ اے عائشہؓ مسکینوں سے محبت رکھ اور ان کی قرب میں رہ۔ خدا تعالیٰ بھی قیامت کے دن تجھے اپنے قریب کرے گا"۔

اس لیے حضورؐ اکرم کمزوروں کی دست گیری، یتیموں اور بیواؤں کی غمگساری اور ہمدردی میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ اُن کے درمیان خوش رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ اکرم مسجد میں تشریف لائے اور فقرا کے ساتھ بیٹھے اور اُن کو جنت کی خوشخبری سنائی اس پہ اُن کے چہرے مسرت سے کھل گئے۔ میں کچھ غمزدہ سا ہو گیا چونکہ میں اُن کے گروہ میں سے نہیں تھا۔

حضورؐ کے غلام زید بن حارثؓ کے والد اس کی تلاش میں حضورؐ تک پہنچے۔ حضورؐ نے زیدؓ کو اپنے اور ان کے والد کے درمیان اختیار دے دیا کہ جسے چاہے پسند کریں۔ انہوں نے حضورؐ اکرم کو اپنے والد پہ ترجیح دی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

معاویہ بن سوید کہتے ہیں کہ ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا اور ہم میں سے کسی نے اُسے طمانچہ مار دیا۔ حضورؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو۔

جانوروں پہ ظلم و ستم کی تمام اقسام کو حضورؐ نے روک دیا۔ بعض صحابہؓ نے ایک سفر میں ایک پرندہ

کے چھوٹے چھوٹے بچے پکڑ لیے۔ اُن کی ماں بے تابی سے پھڑ پھڑانے لگی تو حضورؐ نے فرمایا۔
"ان کی ماں کو کس نے صدمہ پہنچایا ہے، اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔"
حضرت عائشہؓ ایک اونٹنی پر بیٹھی ہوئی غصے سے اس پر سختی کر رہی تھیں، حضورؐ نے فرمایا:
"جو نرمی نہیں کرے گا وہ اپنے اُوپر بھلائی حرام کر لے گا۔"
آپؐ بچوں کو دیکھ کر خوش ہو جایا کرتے تھے اور بچے بھی آپؐ سے بہت جلد مانوس ہو جاتے جب آپؐ کھیلتے ہوئے بچوں میں سے گذرتے تو انہیں سلام کہتے۔ جب سواری پہ گذرتے تو پیار سے بچوں کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ ایک اعرابی نے حضورؐ کو بچوں سے پیار کرتے ہوئے دیکھا تو سخت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ میرے تو دس بچے ہیں اور میں نے تو اُن سے کبھی اس طرح پیار نہیں کیا۔ حضورؐ نے فرمایا:
جب خدا نے تیرے دل سے شفقت و رحمت چھین لی ہے تو میں تھوڑا ہی اس کا ذمہ دار ہوں۔
ایک جنگ میں آپؐ نے ایک بچے کی لاش دیکھی تو سخت برہم ہوئے اور سختی سے فرمایا:
"تم بچوں کو قتل کرنے سے پرہیز کرو، تمہیں بچوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔"
بعض لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ دشمنوں پر لعنت کریں اور اُن کے لیے بددعا کریں تو آپؐ نے فرمایا کہ "میں لعنت بھیجنے کے لیے نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"
رحمت للعالمین کی رحمت کی انتہا یہ ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی موت پر بھی جس نے عمر بھر حضورؐ کی مخالفت اور ایذا رسانی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ اپنا کُرتا اس کے کفن کے لیے مرحمت فرمایا اور اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ ستر مرتبہ دعائے مغفرت سے اُس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس سے بھی زیادہ اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتا۔
فتح مکہ کا واقعہ عجیب اور حیرت انگیز واقعہ ہے۔ جن دشمنانِ اسلام نے ۲۱ سال تک حضورؐ اور حضورؐ کے ساتھیوں کے ساتھ مظالم کی کوئی قسم نہ تھی جو روا نہ رکھی ہو۔ بھوک پیاس، قید و بند، قتل و غارت، مارپیٹ اور تباہی و بربادی اور گھروں سے اخراج اور پھر میدان جنگ میں ۹ سال تک شدید کشمکش اور خاک و خون میں تڑپنے کی دشمنیاں، اب وہ مفتوح ہو گئے، اور مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ جب اسلامی لشکر فاتحانہ مکہ میں داخل ہو رہا تھا تو حضورؐ کا سر احساس بندگی اور عجز سے کجاوے کے ساتھ لگا جا رہا تھا۔ مختلف دستے مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو رہے تھے اور ہر دستے کا ایک

علمبردار تھا۔ سعد بن معاذ جو ایک پُرجوش انصاری سردار تھے، ایک دستے کے سربراہ اور علمبردار تھے ان کا ابوسفیان سے سامنا ہوا اور انہوں نے للکار کر کہا "ابوسفیان، آج کا دن قتل اور خونریزی کا دن ہے۔ آج کے دن خدا شدید العقاب قریش کو ذلیل کرے گا" یہ سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہوگیا اور بھاگا بھاگا حضورؐ کی خدمت میں آکر کہا۔ یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے اپنی ہی قوم قریش کے قتل وغارت کا حکم دے دیا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا "ہرگز نہیں"۔

ابوسفیان نے کہا "سعد تو یہی کہہ رہے ہیں"

حضورؐ نے فرمایا "سعد غلط کہتے ہیں، تم اطمینان رکھو آج کا دن لطف وکرم اور رحمت کا دن ہے۔ اور حضورؐ نے احتیاطاً حضرت سعدؓ سے دستے کا جھنڈا لے کر ان کے لڑکے کو دے دیا اور پھر حضورؐ نے قریش کی جان بخشی کے لیے فوج کو مندرجہ ذیل ہدایات جاری کیں:

— جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

— جو شخص خانہ کعبہ میں پہنچ جائے اُسے بھی قتل نہ کیا جائے۔

— جو شخص ابوسفیان (کفار کی ساری جنگوں کا سرغنہ) کے گھر میں داخل ہوجائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

— جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اُسے بھی قتل نہ کیا جائے۔

— جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں چلا جائے اُسے بھی قتل نہ کیا جائے۔

— جو بھاگ جائیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔

— زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

— قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

دُنیا اس قسم کی فتح اور دشمن کے ساتھ اس قسم کے لطف وکرم سے پہلے بھی ناآشنا تھی اور اُن کے بعد اب بھی ناآشنا ہے۔ فتح کے بعد قریش اور اُن کے سردار جمع ہوکر آئے اور حضرت علیؓ کی رہنمائی اور تعلیم کے مطابق آکر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا جملہ دہرایا۔

تاللہ لقد اٰثرك اللّٰہ علینا وان کنا لخاطئین۔

رسولِ اکرمؐ رحمۃ للعالمین نے جواب میں فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین

اور اُن میں کون کون تھے جو معاف کر دیے گئے۔

—— ابو سفیان کو بھی معاف کر دیا گیا، جس نے کفر و اسلام کی لڑائی اپنے ہاتھوں لڑی تھی۔

—— عکرمہ بن ابو جہل بھی معاف ہوا جس نے اسلام اور مسلمانوں پہ کوئی ظلم نہ تھا جو ڈھایا نہ ہو۔

—— بھی معاف ہوا جس نے نیزہ مار کر رسول اکرم کی پیاری بیٹی زینب کو اونٹ سے گرا دیا تھا۔ جس کے صدمہ ہی سے بعد میں ان کا انتقال ہوا۔

—— عبداللہ بن ابی سرح بھی معاف کیا گیا جو تمسخر کرتا تھا کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے۔ محمد (نعوذ باللہ) مجھ سے ہی سیکھتے ہیں۔

—— ہندہ جگر خوار زوجہ ابو سفیان بھی معاف کی گئی جس نے میدانِ جنگ میں حضورؐ کے پیارے چچا امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا اور اُن کے اعضا کاٹ کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا۔

—— وحشی بھی معافی لے گیا جس نے حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کر کے گویا اس فوج کا مضبوط ستون گرا دیا تھا۔ اور اپنے بے درد نیزے سے لشکرِ اسلام کا شیر شہید کر دیا تھا۔

—— اور مکہ کے ان باشندوں کو مسلمانوں کی وہ جائیدادیں بھی معاف کر دی گئیں جن پر انہوں نے مسلمانوں کو اپنے شہر سے نکال کر قبضہ غاصبانہ کر لیا تھا۔

پھر اتنا کچھ ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان نومسلموں کو جو اب اسلام کے غلبہ کے زور سے رحم کی اپیل کر رہے تھے، جنگ ہوازن کے بعد بے شمار مالِ غنیمت بھی تقسیم کیا گیا اور خود قبیلہ ہوازن جس نے مسلمانوں کی سخت ترین مزاحمت کی تھی اور اس فوج کو شدید نقصان پہنچایا تھا، مفتوح ہونے پہ بہترین حُسنِ سلوک کا مستحق ٹھہرایا گیا۔

حضور اکرمؐ کے پاس قبیلہ ہوازن کے چھ سردار رحم کی درخواست لے کر حاضر ہوئے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے طائف میں حضور اکرمؐ پہ پتھر برسائے تھے اور حضرت زیدؓ حضورؐ کو بے ہوشی کی حالت میں زخمی اُٹھا کر لائے تھے۔

حضورؐ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا، میں اپنے اور اپنے خاندان کے حصّے کے قیدیوں کو چھوڑ سکتا

ہوں۔ لیکن دوسرے سب لوگ اپنے اپنے حصے کے بارے میں آزاد ہیں، تم کل مجمع عام میں یہ درخواست پیش کرو"۔

چنانچہ حسبِ ارشاد دوسرے دن مجمع عام میں وہ درخواست پیش ہوئی تو رحمت للعالمین نے فرمایا۔

"میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا معاوضہ رہا کرتا ہوں"۔

اس پر انصار و مہاجرین نے بھی اعلان کر دیا کہ وہ بھی اپنے قیدی جو قبیلہ ہوازن سے ہیں۔ بلا معاوضہ رہا کرتے ہیں، حضورؐ نے تو آزاد قیدیوں کو نئے لباس پہنا کر رخصت کیا۔ دنیا دشمن کے سامنے یہ فیاضی اور رحم دلی دیکھ کر حیران رہ گئی۔

حضورؐ فرمایا کرتے تھے "تم ایک دوسرے کی باتیں مجھے نہ سنایا کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو"۔

حضورؐ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے تھے۔ اور زبان مبارک پر حرفِ انکار کبھی نہ لاتے تھے۔ اگر کچھ بھی دینے کو موجود نہ ہوتا تو سائل سے عذر کرتے جیسے کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے سوال کیا تو فرمایا۔ "بھائی میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو، میں اتار دوں گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا "حضور خدا نے آپ کو قدرت سے بڑھ کر کام کرنے کی تکلیف تو نہیں دی ہے"۔ اس پر حضورؐ خاموش ہو گئے۔ ایک انصاری جو پاس بیٹھے تھے کہنے لگے، یا رسول اللہ خوب دیجیئے، رب العرش مالک ہے تو تنگ دستی کا کیا ڈر ہے؟ اس پر حضورؐ ہنس پڑے اور چہرہ مبارک کھل گیا اور فرمایا "ہاں! مجھے یہی حکم ملا ہے۔

حضورؐ فرمایا کرتے کہ جو شخص مقروض مر جائے تو وہ ہمارے ذمے ہے ہم اُسے ادا کریں اور جو شخص وراثت چھوڑ جائے تو وہ وراثت اس کے وارثوں کی ہے۔

ایک اعرابی نے آکر حضورؐ کی چادر کو اتنا زور سے کھینچا کہ گلے میں نشان پڑ گیا اور نہایت گستاخی سے کہنے لگا "اے محمد، یہ مال خدا جو تمہارے پاس ہے، نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے۔ اس میں سے مجھے بھی ایک اونٹ غلہ دے دو"۔

حضورؐ نے تھوڑے توقف کے بعد فرمایا:

"بے شک یہ مال خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں" اور پھر اُسے شتر بھر غلہ عطا فرمایا۔
مشہور واقعہ ہے کہ آپؐ ایک درخت کے نیچے سو گئے اور تلوار درخت سے آویزاں کر دی۔
ایک شخص آیا اور تلوار نکال کر حضورؐ کو گستاخی سے جگایا اور بولا اب بتاؤ تم کو مجھ سے کون بچائے گا۔
آپؐ نے فرمایا "اللہ" اس جواب پر وہ چکرا کر گر پڑا پھر حضورؐ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا:

"اب بتاؤ تجھے کون مجھ سے بچائے گا۔ لیکن جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔"

حضورؐ فرماتے "اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے۔ یہ لکھ رکھا ہے:

ان رحمتی غلبت غضبی "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔

فرمایا: "شہ زور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے، شہ زور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام لیتا ہے۔"

فرمایا: "قیدیوں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو۔"

فرمایا: "جو کوئی شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔"

اور اس رحمت و شفقت پر حضورؐ کے سب سے بڑے دشمن کی گواہی سے زیادہ سچی گواہی اور کس کی ہو سکتی ہے۔

ابو سفیان بن جس نے حضورؐ کے خلاف جنگوں کا سلسلہ برسوں تک جاری رکھا تھا۔ قبل از اسلام ایام جنگ کے دوران گرفتار ہو گیا۔ اور حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضورؐ نے کمال مہربانی سے فرمایا:

"افسوس! ابو سفیان، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اتنی بات سمجھ جاؤ کہ خدا کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔"

اس پر ابو سفیان بولا:

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپ کتنے بُردبار، کتنے قرابت کا حق ادا کرنے والے اور کس قدر دشمن پر عفو کرنے والے ہیں۔"

اس شانِ رحمت اور خوئے دلنوازی کا مظہر یہ ارشاد مبارک ہے۔

"میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے، میں اس کو قدرت انتقام کے باوجود

معاف کر دوں۔ جو مجھ سے قطع کرے، میں اس کو ملاؤں، جو مجھے محروم رکھے میں اس کو عطا کروں۔ غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں"۔

جب کبھی صحابہؓ نے مشرکوں کے ظلم وستم پر ان کے حق میں بددعا کی درخواست کی تو حضورؐ نے یہی فرمایا:

"میں لعنت کرنے والے کی حیثیت سے مبعوث نہیں ہوا ہوں، میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

اور قوم کے بارے میں دعا کی تو یہی کی کہ:

"الٰہی میری قوم کو بخش دے اور ہدایت دے یہ لوگ بے خبر ہیں"۔

یمامہ کے حاکم ثمامہ نے جب مکہ معظمہ کی طرف غلّے کی ترسیل بندی کر دی تو اس بندش سے کفارِ مکہ میں کہرام مچ گیا۔ ابوسفیان دوڑا دوڑا مدینہ گیا اور رحمت عالم سے درخواست کی کہ یمامہ کے حاکم کو غلہ کی بندش کرنے سے منع کیا جائے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شعب ابی طالب میں حضورؐ اور آپؐ کے خاندان کو مسلسل تین سال تک بھوکا پیاسا مارا تھا اور دودھ پیتے بچوں پر بھی رحم نہیں کیا تھا۔ بچے تڑپتے بلکتے اور بلبلاتے تھے لیکن ان بے درد دل قریش کو ان پر رحم نہ آتا تھا۔ اور الٹا ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے۔ اب وہ حضورؐ کے پاس یمامہ کے حاکم کی فریادلے کر آئے تھے کہ پورے شہر مکہ کو شعب ابی طالب بننے سے بچایا جائے۔ حضورؐ نے انہیں ان کے مظالم یاد تک دلانا مروّت اور اپنی شانِ رحمت کے خلاف سمجھا اور یمامہ کے حاکم کو لکھا کہ مکہ کو غلہ جانے دیا جائے۔

جب یہی قریش مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے بھاری لشکر لے کر میدان بدر میں آئے تو پانی مسلمان لشکر کے قبضے میں تھا۔ مشرکین کی فوج کے آدمی پانی پینے کے لیے مسلمانوں کے بنائے ہوئے حوض پر آئے تو بعض لشکریوں نے ان کو روکا۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا "پانی پینے سے منع نہ کرو۔ انہیں پینے دو"۔

حدیبیہ کے میدان میں ایک طرف صلح نامے کی باتیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف قریش نے ۸۰ آدمی حضورؐ اکرم کو قتل کرنے کے لیے پوشیدہ طور پر بھیجے جو چھپ چھپا کر اسلامی لشکر میں داخل ہو گئے لیکن پھر پکڑے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کیے گئے۔

حضورؐ نے فرمایا: "میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں، جاؤ تم آزاد ہو"۔
اس نے کہا:
"اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں جو آپؐ کی قید میں ہے"۔
حضورؐ نے فرمایا:
"یہ تلوار تم نے کیوں گلے میں لٹکا رکھی ہے"۔
اس نے کہا: "میں آتے وقت اسے گلے سے نکالنا بھول گیا تھا"۔
حضورؐ نے فرمایا:
"کیا تم نے اپنے دوست صفوان بن   کے ساتھ اس کے حجرے میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی یہ کہ صفوان تمہارا قرض ادا کرے گا اور تمہارے بال بچوں کا کفیل ہوگا"۔
عمیر حقیقت کے انکشاف پر حیران رہ گیا۔ اور اقرار کیا۔
حضورؐ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو، اور اس کے فرزند کو بھی آزاد کر دو"۔ عمیر وہیں مسلمان ہو گیا۔
ابوسفیان نے ایک بدو کو رقم کا لالچ دے کر حضورؐ کے قتل کے لیے آمادہ کر کے مدینہ بھیجا۔ جب وہ مسجد نبوی میں پہنچا تو پکڑ لیا گیا۔ اس نے اقرار کیا تو آپؐ نے فرمایا "تم کو امان دی جاتی ہے، جہاں چاہو، چلے جاؤ"۔ اس حسن سلوک سے وہ مسلمان ہو گیا۔
ایک شخص   بن حارث نے حضورؐ کو ہنستا دیکھ کر تلوار کھینچ لی اور وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ حضورؐ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا "چلے جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا"۔ اس سلوک پر وہ مسلمان ہو گیا۔
اس سے بڑھ کر رحمت و شفقت کیا ہو سکتی ہے کہ حضورؐ نے منافقین تک کے ساتھ ہمیشہ رحم و کرم کا سلوک کیا۔ عبداللہ بن ابی کی دشمنیاں ایک طرف اور حضور اکرم کا رحم و کرم دوسری طرف۔ جو ہمیشہ غالب رہا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے ام المومنین پر بہتان تراشی کر کے حضورؐ کو سخت ترین اذیت پہنچائی۔ لیکن حضورؐ نے انہیں معاف کر دیا۔ انہوں نے مہاجرین اور انصار کو باہم لڑانے کی سازش کی۔ حضورؐ نے انہیں معاف کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو مسجد کے مقابلے میں سازشوں اور تخریب کاری کے لیے مسجد ضرار بنائی، حضورؐ نے حکم ربی پر اُن کی سازشوں کا یہ اڈا جلا دیا اور سازشیوں کو معاف کر دیا۔

حضورؐ کے خادم حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ اپنے ہم نشینوں کی طرف کبھی نہ پھیلاتے تھے۔ کوئی مصافحہ کرے تو پہلے خود ہاتھ نہ کھینچتے تھے، کوئی کھڑا ہو کر بات کرے تو کبھی خود نہ ہٹتے تھے، مجھے دس سال کی خدمت میں ایک بار بھی کبھی نہ ڈانٹا اور میں نے جو کام بھی کیا۔ آپؐ نے کبھی نہیں کہا کہ تم نے یہ اور یہ کیوں کیا۔

غرض حضور اکرم سرچشمۂ رحمت تھے، پوری انسانیت کے لیے۔ ان کی رحمت کا دریا اب تک ٹھاٹھیں مار رہا ہے، جس سے دنیا کے تمام انسان سیراب ہو رہے ہیں۔ آن کی ذات سے محبت و شفقت رحمت و اخوت کا نورانی دریا جاری ہے اور ساری دنیا قیامت تک اس سے شاد کام ہوتی رہے گی۔

شراب اور اقتصادیات

از ریاض الحسن نوری

(۳)

(امریکہ کے بلانوش صحافی WILLIAM McLEWAIN کی داستانِ ترکِ شراب کا کچھ حصّہ سابق قسط میں بیان ہو چکا ہے اب بقیہ حصّہ پیشِ خدمت ہے)

ڈاکٹر بکر صاحب کی مذکورہ بالا بات مجھے تسلیم ہے اور میں اپنے آپ کو اسی جمِ غفیر میں شمار کرتا ہوں۔ جب میں اپنی پچھلی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے سمجھ آنے لگتا ہے کہ کیا ہوتا رہا ہے۔ میں اپنا کام اچھی طرح سے سرانجام دیا کرتا تھا مگر میں آرام اور سکون بہت کم ہی محسوس کرتا (I seldom felt a case.) وسکی سے سکون ملا۔ کم از کم کچھ تھوڑا سا تو ملا۔ میں پینے لگا اور اچھی طرح کام کرنے لگا۔ کئی سال تک میں کامیاب رہا اور اخباروں کے لیے لکھتا رہا۔ پھر NEWSDAY نامی اخبار میں آگیا اور کاپی ایڈیٹر بنا۔ میں دن کی خبروں کا ایڈیٹر تھا، وہ بھی شہر کی حد تک۔ پھر اسسٹنٹ مینجنگ ایڈیٹر بنا۔ پھر مینجنگ ایڈیٹر مقرر ہوا اور آخرکار مکمل ایڈیٹر کے طور پر مامور ہوا۔ بہت سے دنوں اور بہت سی راتوں کو میں یہ محسوس کرتا کہ میں سب کچھ آئینوں کی مدد سے کر رہا ہوں، یعنی میں خاص اپنی پیشہ وارانہ حقیقی اہلیت کو استعمال نہیں کر رہا، بلکہ کم ٹھوس اور کم پسندیدہ صلاحیتوں کو استعمال کرتا ہوں شاید میں ایک جنوبی کی مانند معروف مقامی چالاکی و عیاری کو کام میں لا رہا ہوں جس کے زیرِ اثر عموماً

اور مردوں کو تعریف سے خوش کر کے ضرورت سے زیادہ مسکہ مالش کا رویہ اختیار کر کے جیسے کیسے بھی اُن سے کام لیا جا سکتا ہو، لیا جاتا ہے۔

خوف اور کپکپاہٹ | پھر مجھ پر خوف اور اُس کی وجہ سے لرزہ بر اندام ہونے (FEAR CREAPS) کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ کم از کم دس سال میں نے روزانہ شراب زیادہ نہیں پی۔ بعض مواقع پر میں گھنٹوں پیتا رہتا اور کافی پیتا۔ یہ مواقع سوشل یا کاروباری ہوتے۔ اس کے بعد میں نے دفتر میں ریفریجیریٹر رکھوا لیا۔ میں دوپہر کے کھانے کے وقت میں ٹینس کھیلتا۔ پھر واپس آکر ٹیُن کی مچھلی کھاتا۔ اس کے بعد پھر شراب پیتا اور اس کے بعد ٹانک استعمال کرتا۔ اس کے بعد میں چند گھنٹوں کے لیے شراب کو الگ کر دیتا اور پھر شام کو ۵ بجے سے پہلے کچھ اور پیتا جبکہ میرے کمرے میں نیوز کانفرنس ہوتی۔ اس کے بعد میں نے مذکورہ بالا چند گھنٹوں کا وقفہ بھی ختم کر دیا اور ٹینس کے بعد بھی اور نیوز کانفرنس کے دوران میں بھی پیتا رہتا۔

اس کے بعد گھر جانے سے پہلے کچھ دیر بیٹھنا اور کچھ پیتا۔ BILL MOYERS جو اس زمانے میں NEWSDAY کا پبلشر تھا۔ اس نے مجھ سے اتنی شراب پینے کے متعلق گفتگو کی — پہلے نرمی سے تذکرہ کرتے ہوئے، کبھی مذاق میں، مگر بعد میں خاص طور سے اس مسئلہ پر زور ڈال کر گفتگو کی۔ مگر میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اسے میرے شراب پینے اور میری قابلیت دونوں کو منظور کرنا پڑے گا۔ میں نے NEWSDAY اخبار کو ترقی دے کر دنیا کے چوٹی کے اخباروں کی صف میں پہنچا دیا تھا اور یہ کام میں نے شراب کے عادی ہونے کے باوجود سرانجام دیا تھا۔

اب مجھے اس بات کا یقین آگیا ہے — مگر اُس وقت نہ تھا کہ میں اپنے کام میں مفلوج ہو رہا تھا۔ میں ایک شرابی سربراہ تھا جو کہ اخبار کے کام میں ذاتی طور پر بہت زیادہ حصہ اور بڑی CONTRIBUTION نہیں دے رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے بارے میں کچھ خوف میرے دماغ میں پیدا ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ   نے بہت باعزت طریق سے اپنے اخبار سے مجھے رخصت کیا۔ اس موقع کو میں نے اپنے لیے بہت غنیمت جانا۔ اُس نے میرے لیے یہ کیا کہ WAKE FOREST UNIVERSITY (ویک فاریسٹ یونیورسٹی) میں اُسی تنخواہ پر

ایسے مصنف کی نوکری دلوا دی جو گھر بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا کام کرتا ہے۔ وہاں پہ میرا سال (۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۰ء) بھی اخبار کے دفتر سے بہتر ثابت نہ ہو سکا۔ سوائے اس وقت کے جبکہ میں سوتا تھا۔ میں ایک گھنٹہ بھی شراب کے بغیر نہ گزار سکتا تھا اور ایک مصنف کے طور پہ میں کوئی خاص خدمت نہیں سرانجام دے رہا تھا۔ ۵۴ سال کی عمر میں میری زندگی بیکار ہو کر رہ گئی تھی۔ تب میں اس ادارہ میں آیا کہ شاید میں اپنی زندگی کا پہیہ اُلٹا گھما سکوں۔

ادارے سے رخصت آخر مجھے ادارہ کی طرف سے کہا گیا کہ آپ کل گھر واپس جا سکتے ہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ عدالت کے آرڈر کی بنا پہ کوئی مریض داخل ہوا ہو[1]۔ عام حالات میں کوئی مریض اگر چاہے تو اپنی مرضی سے ادارہ کو چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ مگر عام طریقہ یہی ہے کہ کونسلر مریض کو مناسب وقت پہ جانے کی اجازت دے دیتا ہے۔ غرض فیصلہ یوں ہوا کہ مسٹر ولنگٹن اور لوبھر (جو ایک لکڑی کاٹنے کے کارخانے میں کام کرتا تھا اور خاموش طبع آدمی تھا) دونوں کو بھی میرے ساتھ ہی واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ ان دونوں میں سے کسی کے پاس کار نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ میں انہیں ان کے گھروں پہ چھوڑ کر خود ورجینیا چلا جاؤں گا۔ وہاں پہ پہلی دفعہ مجھے پتہ چلے گا کہ ایسے کمرے میں موجود ہونا جہاں کہ میرے سوائے سب پی رہے ہوں[2] ایسا تجربہ

---

[1] اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت میں ایسے لوگوں کو جو یہ سمجھتے ہوں کہ وہ شراب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، عدالت یا حکومت جبری طور پہ ایسے اداروں میں بھیجے جہاں اُن کی شراب اُسی طرح چھڑوا دی جائے جس طرح کہ مغربی ممالک میں ترکِ شراب کے اداروں میں رکھ کر شراب چھڑائی جاتی ہے۔ اور جب تک اطمینان نہ ہو اُس وقت تک ایسے لوگوں کو اُن اداروں ہی میں رکھا جائے اور اُن کا خرچ اُن کی جیبوں سے وصول کیا جائے یا اُن کے ذمہ دار رشتہ داروں سے لیا جائے۔

[2] ادارہ میں تو اُن کے سامنے کوئی بھی نہ پیتا تھا۔ نہ یہ کسی کو پیتے دیکھتے کہ دل میں خلش زیادہ ہونے کا تجربہ پیش آئے۔

کس طرح کا ہوتا ہے۔ یہ تجربہ مجھے اُس وقت پیش آیا تھا جب کہ مجھے اخباروں کے ایک گروہ کے پبلشروں کی میٹنگ میں خطاب کرنا تھا۔ اور پھر ایک ہفتہ بعد انہی اخباروں کے ایڈیٹروں کے سامنے بولنا تھا۔

اس سہ پہر جب میں، لومفر مور اور مسٹر ولنگٹن باہر کھڑے تھے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہم یہاں سے جا کر کیسے رہیں گے۔ مجھے یاد آیا کہ ایک مرتبہ ایک A.A کے مقرر نے کہا تھا کہ "تم یہ سوچتے ہو کہ یہاں سے جا کر بھی دوبارہ تم شراب پی سکو گے؟ اس کی تم فکر نہ کرو تم یہاں سے جا کر شراب نہیں پی سکو گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ کونسی بات سب سے خطرناک چیزوں میں شامل ہے؟ تم یہاں سے واپس جاتے ہو اور بہت اچھی زندگی گذارنے لگتے ہو میں نے بھی واپس جا کر تین سال اچھے گزارے۔ پھر تم اپنے آپ سے یوں کہنے لگتے ہو کہ ہو سکتا ہے کہ میں درحقیقت کبھی بھی عادی شرابی ALKOHOLIC نہیں تھا۔ میں حقیقی عادی شرابیوں کی طرح نہیں پیتا تھا۔ تم یہ سوچنے لگتے ہو کہ تم پھر پینی شروع کر سکتے ہو۔ اور اس مرتبہ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھو گے۔ مگر تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں خود تجربہ کر چکا ہوں" ہر تین میں سے دو ناکام پھر میں نے سنجیدہ اعداد و شمار کو یاد کیا کہ اس ادارے سے واپس جانے والوں میں سے تین میں سے دو ناکام ہو کر واپس آ جاتے ہیں[1]۔ اور ایک کامیاب رہتا ہے میں نے اپنے لیے دُعا مانگی اور میں تین میں ایک بننا چاہتا تھا۔

مجھے ادارے کو چھوڑے ۳۰ دن ہو چکے تھے۔ ورجینیا میں اخبار نویسوں کی دو میٹنگیں خیریت سے گذر گئیں۔ پہلی میٹنگ میں جب میں داخل ہوا تو دَور چل رہا تھا اور مجھے یہ بتانا پڑا کہ میں صرف سوڈے پر کیوں اکتفا کروں گا۔ میں نے بتایا کہ میں ابھی شراب چھڑانے والے ادارے سے آ رہا ہوں۔ کسی نے اس بات کی طرف منفی یا مثبت توجہ نہیں دی۔

---

[1] اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ امریکہ وغیرہ میں کھلم کھلا شراب پی جاتی ہے اور سوسائٹی شراب پینے والوں کو بُرا نہیں سمجھتی۔ ہر گھر اور ہوٹل میں شراب چلتی ہے۔ اس لیے تائب کے لیے پابند رہنا مشکل ہوتا ہے۔ مگر مسلمان ممالک میں اس کا خطرہ نہیں اگر اسلامی قوانین رائج ہوں۔

مذکورہ بالا دورے کے بعد میں ATLANTIC BEAD, N. C. گیا جہاں کہ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ سمندر کا ساحل رہنے کے لیے عمدہ جگہ ہے۔ میں ہفتے کے ساتوں دن لکھنے کا کام باقاعدہ کرتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ کام خوب ہو رہا ہے۔ میں تیرتا بھی ہوں۔ ٹینس کھیلتا ہوں۔ مچھلی کا شکار کرتا ہوں۔ کیکڑے پکڑتا ہوں اور زمین سے کھود کر CLAMS نکالتا ہوں۔ یہ سب کام میں ہر روز کرتا ہوں، چاہے بارش یا جھکڑ کیوں نہ ہو۔ میں بہت اچھا محسوس کرتا ہوں اور شراب سے دور رہتا ہوں۔

یہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں ہم نے شراب سے متعلق اپنی شائع شدہ انگریزی تصنیف میں یہ بات حوالوں سے ثابت کی ہے کہ کار ڈرائیور جب شراب پی لیتا ہے تو اس کو محسوس نہیں ہوتا کہ اس کا کنٹرول ناقص ہو گیا ہے، بلکہ ہلکے سے نشے میں بھی اگرچہ اس کا کنٹرول ناقص ہو جاتا ہے، وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے اور اس کا کنٹرول بھی اچھا ہے۔ اسی طرح ہم نے وہاں انگلینڈ کی سرکاری تحقیقات کے حوالوں سے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ شراب پینے کے بعد جب ایک شخص پہاڑی پر چڑھتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بہت تیز تیز اور مہارت سے چل رہا ہے مگر حقیقت میں اس کی حرکات پورے طور پر کنٹرول میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کی کارگذاری ناقص رہتی ہے۔

محض آرام کرسی پر لیٹے لیٹے خیال آرائیوں کے ذریعے ہم ان نتیجوں پر نہیں پہنچے بلکہ باقاعدہ سائنسی تجربات اور حقائق کے مقرر پیمانوں کا ناپ تول سامنے رکھ کے چوٹی کے سائنسدانوں کے مشاہدات کی مدد سے فیصلے کیے گئے ہیں۔

اسی طریق پر آپ نے جو ابھی مشہور امریکن صحافی سے ذاتی تجربات اور ادارے کے ڈائریکٹر کی آراء پڑھی ہیں، ان سے بھی مزید یہی واضح ہوا کہ شراب پینے والوں میں اپنی کارگذاری کے متعلق غلط قسم کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی گرتی ہوئی کارگذاری کو سمجھنے سے محروم رہتے ہیں۔ شراب کے نشے کے ساتھ اگر اقتدار کا نشہ بھی شامل ہو جائے تو پھر ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا والی بات ہو جاتی ہے۔

شراب اور پاکستان کے حکمران اس پس منظر اور حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اب پاکستان

کی سیاسی تاریخ پر نظر ڈالیے۔ قائد اعظم اور لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر وغیرہ کے بعد سے پاکستان کے سیاسی سربراہوں وغیرہم میں شرابیوں کی تعداد زیادہ رہی ہے۔ غلام محمد اور یحییٰ خاں کی شراب نوشی سے کون انکار کر سکتا ہے۔

شرابی حکام اپنی پالیسیوں اور کارکردگیوں کے نقائص کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے جب اخبارات حکومت پر اعتراض کرتے ہیں تو حاکم شراب اور اقتدار کے نشہ میں سمجھتے ہیں کہ ہم بہت ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ اخبارات خواہ مخواہ شور مچا رہے ہیں۔ اس لیے یہ شرابی حکام نوشتہ دیوار نہیں پڑھ پاتے اور پچھلے سربراہ کے انجام سے سبق حاصل نہیں کرتے۔ یحییٰ خاں کی شخصیت اس سلسلے میں مثالی شخصیت ہے۔ یحییٰ خان نے ایوب خان کے انجام سے کوئی سبق نہ لیا اور شراب اور اقتدار کے نشے میں اپنی پالیسیوں کو بہت خوب سمجھتا رہا اور اس کے شرابی مشیر بھی اس کو سب اچھا کی لوری سناتے رہے۔ آخر کار یحییٰ صاحب خود تو گئے مگر ساتھ آدھے پاکستان کو بھی لیتے گئے۔

ع ڈوبے ہیں صنم، تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

جب شرابی حاکم مسائل اور مشکلات میں گرفتار رہتا ہے تو پریشانیوں کو بھولنے کے لیے شراب پیتا ہے۔ پھر نشہ کے زیر اثر غلطیاں کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ٹھیک کام کر رہا ہوں۔ ان غلطیوں سے پھر مسائل اور مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ ان مشکلات سے گھبرا کر پھر شراب پیتا ہے اور پھر غلط پالیسیاں چلاتا ہے۔ اس سے مسائل پھر نئے انداز سے اُبھرتے ہیں۔ ان سے گھبرا کر پھر شراب پیتا ہے۔ اس طرح شیطانی چکر چلتا رہتا ہے اور حکومت اور ملک دونوں کو لے ڈوبتا ہے[۱]۔

اگر عوام اب بھی جب کہ پاکستان دولخت ہو چکا ہے، بعد از بسیار خرابی و خواری یہ سبق حاصل کر لیں کہ سربراہوں اور حکام کے لیے جو شرائط خدا اور اس کے رسولؐ نے مقرر کر دی ہیں، یعنی متقی، پرہیزگار، نمازی اور عالم وغیرہ ہونے کی تو پھر ہم یہی کہیں گے کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔

---

[۱] اسی حالت کو انگریزی میں VICIOUS CIRCLE کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُردو میں بدی کا بھنور، یا گرداب کہہ سکتے ہیں۔

نہ صرف حکام بلکہ قرآن نے تو اعلان کر دیا ہے کہ جب تم مزدور سے لے کر حاکم تک کسی سے بھی اُجرت پر کام لینا چاہو تو دو شرائط ضرور دیکھ لو اوّل یہ کہ وہ قوی ہو یعنی جسم بھی قوی ہو اور اس کا ایمان بھی قوی ہو، لالچ میں نہ آسکتا ہو، اور کام کی قابلیت بھی رکھتا ہو۔ دوسری چیز جو اگرچہ پہلی ہی میں شامل ہے مگر اس کو صاف صاف دوبارہ بھی بیان کیا ہے یعنی دوسری شرط یہ کہ وہ امین یعنی دیانت دار ہو (خیر من استاجرت القوی الامین)

دیگر منشیات اگرچہ ہم نے یہاں شراب کا ہی ذکر کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے منشیات قوموں کی اقتصادی، اخلاقی اور جسمانی تباہی میں اثر انداز نہیں ہوتے۔ منشیات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ قرآن نے صرف شراب کا ذکر کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ منشیات کے نقصان دہ ہونے کے لحاظ سے شراب کا مقام وسط میں ہے یعنی بہت سی منشیات شراب سے زیادہ نقصان دہ ہیں اور بہت سی کم نقصان دہ۔ حدیث کی رُو سے سب منشیات حرام ہیں۔

مثال کے طور پر HEROIN کو لیجیے اس پر بھی ایک مضمون محولہ ماسبق ریڈرز ڈائجسٹ کے اسی شمار سے ہے۔ اس مضمون کے اوپر موٹے موٹے الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ امریکہ میں سب اشیاء سے زیادہ رقم کی چیز جو درآمد کی جاتی ہے وہ یہی ہیروئن ہے۔ یہ ہر سال ۵ء۵ بلین ڈالر یعنی ۵ء۶۰ بلین روپے کی درآمد کی جاتی ہے اور یہ نشہ آور چیز عوام کی دشمن نمبر ۱ (PUBLIC ENEMY No: 1) ہے۔ اس مضمون کے مصنف NOTHAN M. ADAMS لکھتے ہیں:

"پچھلے جون کے ماہ میں پریذیڈنٹ نکسن نے وائٹ ہاؤس میں یکے بعد دیگرے خفیہ پولیس اور دیگر متعلقہ محکموں کے حکام کی باتیں سُنیں۔ اس گفتگو میں انہوں نے اس نشہ آور چیز کی فروخت کے خلاف جنگ میں اپنی بڑھتی ہوئی ناامیدی کا ذکر کیا۔ اس پر نکسن صاحب بولے "گویا آپ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب ہم ایک قدم آگے کی طرف بڑھاتے ہیں تو درحقیقت ہم دو قدم پیچھے چلے جاتے ہیں"۔ اس پر ایک افسر بول اُٹھا کہ "جی جناب ہم اس سلسلے میں خاصی کامیابی حاصل نہیں کر سکے"۔

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اس نشہ آور چیز کو امریکہ میں عام کرنے کی مشینری تشویشناک حد تک تیزی سے بڑھ رہی ہے .... یہ امریکہ کے دور دراز علاقوں میں پھیل چکی ہیں حتیٰ کہ الاسکا

تک میں بھی اس نشے کے عادی بڑھتے جا رہے ہیں جن میں رپورٹوں کے مطابق ایک نو سال کا لڑکا بھی ملوث ہے .... بعض افسر برملا اپنی بے چارگی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے مدوجزر اور چڑھتی ہوئی لہروں کو روکنے کے لیے بیلچے سے ریت کی دیوار بنانے کی کوشش کی جائے .... مثلاً ایک شخص جس کو پولیس بے کار بڑھیئی کہتی ہے وہ اکثر نشے کے مجرمانہ کاروبار سے سال میں ... ... ڈالر یعنی گیارہ لاکھ روپے کما لیتا ہے ...... اس کی فروخت میں نئے لوگ جن کا اس پیشہ سے تعلق نہیں وہ وقتی طور پر یہ کام کرنے لگ جاتے ہیں سیاست دان، فوجی، وکیل، طالب علم، ہر طرح لوگ کثیر منافع کے لالچ میں آکر یہ کام کر گذرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ صرف تھوڑے سے وقفہ کے لیے اس کی تجارت میں ملوث ہوتے ہیں اور ایک بڑا ہاتھ مار کر اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے پولیس کے لیے ان کو پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے .... پھر بہت سے لوگ جو پکڑے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے کسی جرم میں ماخوذ ضمانت پر رہا ہیں .... سسٹم خراب ہے جس کے تحت ضمانت پر چھوٹ کر جرم کرنے کا موقع مل جاتا ہے .... مثلاً ایک جج کے پاس سال میں ۲۶ کیس اس معاملے میں ملوث لوگوں کے آئے، مگر سزا صرف ایک کو ملی .... ان میں سے آدھے تو پولیس کی سفارش پر رہا کر دیے گئے .... باقی کو برائے نام سزا ملی ......"

ہم پوچھتے ہیں کہ شراب پر لوگوں کی صحت خراب کرنے کے لیے جو امریکہ میں اربوں روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کے ساتھ HEROIN پر خرچ ہونے والی رقم .... ۵۵ ڈالر یعنی .... ۶۰۵۰ روپے یعنی چوسا ٹھ ارب روپے سے بھی زیادہ ہیں جمع کر لیجیے تو سوچیے کہ اقتصادی طور پر امریکہ کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ پھر صرف اقتصادی ہی نہیں بلکہ صحت اور اخلاق وغیرہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

پس ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ نہ صرف شراب کے خلاف شرعی قوانین نافذ کرنے چاہییں بلکہ دیگر منشیات مثلاً مشہور کیپسول اور ٹیکوں اور افیم وغیرہ کے سلسلے میں بھی انسدادی اقدامات کی ضرورت شدید ہے۔

قرآن کی مختصر ترین سورت

جناب محمد رفیق صاحب گجراتی

تعارف قرآن حکیم کی مختصر ترین سورت کا نام " الکوثر " ہے۔ اس کی تین آیتیں اور کل بارہ الفاظ ہیں۔ اس قدر اختصار کے باوصف یہ سورہ قرآن کے اعجازِ کلام کا نہایت ہی اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کے صرف ۴۲ حروف میں اتنا کچھ کہہ دیا گیا ہے جسے ادا کرنے کے دنیا کی تمام زبانیں قاصر ہیں۔

اس کے الفاظ یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

ہم نے تجھے کوثر عطا کر دیا، پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور اسی کے لیے قربانی کر۔ یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔

زمانۂ نزول جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ مکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، کلبی اور مقاتل کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر حضرت حسن بصری، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ نے اسے مدنی کہا ہے۔ ان حضرات کے اس قول کی بنیاد دراصل حضرت انسؓ کی وہ روایت ہے جسے امام مسلم اور ابو داؤد وغیرہم نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عن انس قال بینا رسول اللہ صلی اللہ	حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ذات یوم بین اظهرنا،	علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ استنے میں
اذا اغفی اغفاءۃ، ثم رفع رأسہ	آپؐ پر اونگھ سی طاری ہوئی پھر آپؐ نے مسکراتے

متبسما، فقلنا: ما اضحك	ہوئے اپنا سر مبارک اٹھایا، اس پر ہم نے عرض کیا
یا رسول الله؟ قال: انزلت علی انفا	اے اللہ کے رسولؐ آپ کس بات پر مسکراتے ہیں۔ آپؐ
سورة، فقرأ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	نے فرمایا: مجھ پر ایک سورت ابھی نازل ہوئی ہے۔ پھر
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ	آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر سورۂ کوثر تلاوت کی۔ پھر ہم
وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝	سے پوچھا جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے عرض کی:
ثم قال أتدرون ما الكوثر؟	اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر فرمایا: یہ
فقلنا الله ورسوله اعلم۔ قال:	ایک نہر ہے جس کے دینے کا میرے پروردگار عزوجل
فانه نهر وعدنيه ربي عز وجل	نے وعدہ فرمایا ہے۔ یہ بہت بڑی دولت ہے اور یہی
عليه خير كثير هو حوض ترد عليه	حوض ہے جس پر قیامت کے روز میری امت پہنچے گی۔
امتي يوم القيامة آنيته عدد النجوم	اس کے پیالے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔

(مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہ حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت انسؓ مدینہ میں تھے لہٰذا اس سورت کا نزول بھی مدینے ہی میں ہوا ہے اور یہ روایت بھی اس پر گواہ ہے۔

مگر انہی حضرت انسؓ سے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور دیگر محدثین نے وہ مستند روایات بیان کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں نہر کوثر دکھائے جانے کا تذکرہ موجود ہے اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ واقعۂ معراج ہجرت سے قبل مکہ میں پیش آیا تھا۔ اس لیے مجرد اس روایت کی بنیاد پر اس سورت کو مدنی قرار نہیں دیا جاسکتا ۔۔۔۔۔ پھر اس سورہ کا مضمون خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ مکی دور ہی میں نازل ہوئی اور مکی دور بھی وہ جس میں دعوتِ اسلامی کی مخالفت شدید ہو چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی نہایت بے سروسامانی کے عالم میں کفارِ مکہ کے مظالم برداشت کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور اطمینان کے لیے یہ سورہ نازل فرمائی۔

شانِ نزول اس سورہ کی شانِ نزول کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے کہ یہ سورہ عاص بن وائل کے

بارے میں اُتری ہے۔ جب کسی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو یہ شخص کہتا: دعوہ فانہ رجل ابتر، لاعقب لہ فاذا ھلك انقطع ذکرہ۔ ”اس کو چھوڑو، یہ تو لاولد آدمی ہے، اس کا کوئی پیچھے ہے نہیں، جب مر جائے گا تو اس کا نام و نشان مٹ جائے گا“۔ نیز یہ شخص کہا کرتا تھا کہ انا شانی محمد ”میں محمدؐ کا دشمن ہوں“۔ چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی۔

۲۔ شمر بن عطیہ کا قول یہ ہے (اور اس کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی ایک قول ہے) کہ یہ سورہ عُقبہ بن ابی مُعیط کے متعلق اُتری جو یہ کہتا تھا کہ، اس نبی کا کوئی بیٹا نہیں۔ اس کے مرنے کے بعد کوئی اس کا نام لیوا نہیں رہے گا ___ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۳۔ عکرمہ اور شہر بن حَوشب کے نزدیک یہ سورہ یہودی سردار کعب بن اشرف اور سردارانِ قریش کے بارے میں نازل ہوئی۔ (اس کی تائید میں بھی حضرت ابن عباس کا ایک قول موجود ہے)۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ،

قدم کعب بن الأشرف مکۃ فقالت لہ قریش أنت سیدھم ألا تری إلی ھذا الصنبر المنبتر من قومہ؟ یزعم أنہ خیر منا و نحن أھل الحجیج و أھل السدانۃ و اھل السقایۃ۔ فقال: ”أنتم خیر منہ۔ قال فنزلت إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔

کعب بن اشرف مکہ آیا تو قریش نے اس سے کہا؟ تم مدینہ والوں کے سردار ہو، اس آدمی کو دیکھو جو اپنی قوم سے کٹ کر جدا ہو گیا ہے اور اس پر بھی اپنے آپ کو ہم سے بہتر خیال کرتا ہے، حالانکہ ہم حاجیوں کے نگران، خانہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار اور حاجیوں کو پانی پلانے والے ہیں۔ اس پر کعب بولا ”تم اس سے بہتر ہو“ اس پر آیت إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ اُتری۔

اس روایت کو ابن جریر اور بزّار نے بھی صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۴۔ عطاء کا قول ہے کہ ابولہب کے بارے میں یہ سورہ اُتری ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صاحبزادہ فوت ہوا تو ابولہب نے مشرکین مکہ کے پاس جا کر کہا: بتر محمد اللیلۃ۔ ”محمدؐ رات کو

لاولد ہو گیا۔" چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اُتاری۔

۵۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ سورہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب حضورؐ کے صاحبزادے فوت ہوئے تو ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے جا کر کہا: بتر محمدؐ "محمدؐ لاولد ہو گیا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

یہ پانچوں اقوال حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں درج کر دیے ہیں۔ ایک عام قاری یہ دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے کہ اتنے مختلف اقوال ایک ہی سورہ کی شانِ نزول میں موجود ہیں۔ اکیلے حضرت ابن عباسؓ ہی سے اس سورہ کی شانِ نزول کے بارے میں چار اقوال ملتے ہیں۔ دراصل یہ اُلجھن شانِ نزول کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ و تابعین کے نزدیک کسی آیت کی شانِ نزول کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس آیت کے عمومی حکم کا اطلاق چونکہ فلاں فلاں واقعے پر بھی ہوتا ہے لہٰذا وہ تمام واقعات بھی اس آیت کی شانِ نزول ہیں۔ گویا شانِ نزول کا تعلق کسی متعین و محدود وقت سے نہیں ہوتا بلکہ حالت و کیفیت کی یکسانی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی سورہ میں شَانِئَكَ (تیرا دشمن) کا لفظ جو آیا ہے اس سے مراد ہر وہ شخص یا گروہ ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھے، قطع نظر اس سے کہ وہ خاکِ مکہ کا ابوجہل ہو یا دنیائے عجم کا ابوالفضول، آج سے چودہ سو برس پہلے پیدا ہوا ہو یا چودہ سو برس بعد متولد ہو۔

ماقبل سورہ سے ربط اس سورہ سے قبل سورۂ ماعون میں مشرکین مکہ کی تکذیبِ دین بیان کی گئی ہے جس کے ثبوت کے طور پر ان کی تین صفات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا یعنی بخل، نماز سے بے پروائی اور ریاکاری۔ اب اِس سورۃ میں ان تینوں صفات کے مقابل میں انفاق فی سبیل اللہ، نماز کی پابندی اور اخلاص و للّٰہیت کی تین صفات سے حضورؐ کو متصف کیا گیا۔ اِس طرح ان سورتوں میں دونوں طرف کی دین پرستی کا حقیقی نقشہ کھینچ کر بتا دیا گیا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ کے لیے حق و باطل میں امتیاز کرنا مشکل نہ رہے۔ سب لوگ اچھی طرح سے جان لیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا سچا پیروکار کون ہے اور اُن کے نام کو بٹہ لگانے والے کون کون سے لوگ ہیں۔ تصدیقِ دین کس گروہ کا شیوہ ہے اور تکذیبِ دین کس گروہ کا پیشہ۔

اس طرح یہ سورہ اپنی ماقبل سورہ کے بعد یوں آتی ہے جیسے عذاب کے بعد انعام اور دوزخ

کے بعد جنت کا ذکر آتا ہے۔ قرآن حکیم میں "مقابلہ" کا یہ اسلوب بہت عام ہے۔

مابعد سورہ سے ربط سورۂ کوثر میں دشمنوں کے مقابل میں خیر و برکت اور عزت و شوکت کی بشارت دی گئی ہے۔ آگے کی سورہ (کافرون) میں یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ چراغ مصطفوی اور شرارِ بولہبی میں ازلی دشمنی ہے اس لیے اب کفار مکہ سے بالکل علیحدگی اور قطع تعلقی کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور یہ ایک قسم کا اعلانِ جنگ ہے۔ پھر آگے کی سورہ (نصر) میں فتح و نصرت اور غلبے کا پیغام دیا گیا ہے۔ اس طرح ان سورتوں کے مابین گہرا معنوی ربط پایا جاتا ہے۔

إِنَّآ أَعْطَيْنَاكَ ٱلْكَوْثَرَ

لغوی تحقیق اَعْطَیْنَا اَعْطٰی یُعْطِیْ اِعْطَاءً سے فعل ماضی جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ لغت میں اِعْطَاءٌ کے معنی اِنَا لَہٗ کے ہیں یعنی کسی کو کوئی چیز دینا، بخشنا، عطا کرنا، عنایت کرنا —

کَوْثَرٌ یہ کثیر سے فَوْعَلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے نفل سے نوفل اور جہر سے جوہر۔ کوثر کے لغوی معنی 'خیر کثیر' کے ہیں، یعنی بہت زیادہ مال یا بھلائی۔ اَلْکَوْثَرُ اسی سے اسم معرف باللام ہے، اور یہ لفظ بطور صفت بھی مستعمل ہے۔ اس وقت اس کے معنی "بہت زیادہ مال و ثروت والا یا بہت زیادہ بھلائی والا شخص" کے ہوتے ہیں۔ الکمیت کہتا ہے ؎

و انت کثیر یا بن مروان طیب وکان ابوك ابن العقائل کوثرا

اے ابن مروان تم بہت مال والے اور بھلے آدمی ہو اور تمہارا باپ جو شریف زادوں کا بیٹا تھا بہت زیادہ مال و ثروت والا اور بہت بھلا آدمی تھا۔

کوثر کی تاویل کوثر کی تاویل کے بارے میں سلف سے تین مشہور اقوال ملتے ہیں:

۱- کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس کا مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں کرایا گیا تھا۔ اس تاویل کو حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس، مجاہد اور ابوالعالیہ نے اختیار کیا ہے۔ روایات صحیحہ کی رو سے اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور اس کی مٹی مشک سے بڑھ کر خوشبودار ہے۔ اس کے کنارے سونے اور چاندی کے بنے ہوتے ہیں جن پر عمدہ موتیوں کے محل ہیں۔ اس کی تہہ میں کنکر پتھروں کے بجائے یاقوت، مرجان اور زبرجد پڑے ہیں۔ اس کے کناروں

پر آسمان کے تاروں کی تعداد کے برابر پیالے رکھے ہیں۔ جس نے ایک دفعہ اس کا پانی پی لیا اُسے کبھی پیاس محسوس نہ ہوگی اور جو اس سے محروم رہا اُسے کبھی سیرابی نصیب نہ ہوگی۔

بخاری کتاب التفسیر میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: لمّا عرج بالنبی صلّی اللہ علیہ وسلم الی السماء، قال: أتیت علی نہر حافتاہ قباب اللؤلؤ مجوّفا۔ فقلت ما ھذا یا جبریل؟ قال ھذا الکوثر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلّی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے (واپس آکر) فرمانے لگے: میں ایک نہر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر اندر سے کھلے کیے ہوئے موتیوں کے گنبد تھے۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے۔

عن ابی عبیدۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قال سألتہا عن قولہ تعالیٰ: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ، قالت نہر اعطیہ نبیکم صلّی اللہ علیہ وسلم شاطئاہ علیہ درّ مجوّف آنیتہ کعدد النجوم۔

ابو عبیدہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جو تمہارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر اندر سے خالی موتی ہیں، اس کے (پینے کے) پیالے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں......

۲۔ کوثر سے مراد حوض ہے جو محشر کے روز حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوگا۔ اس سے آپؐ مومنین کو سیراب فرمائیں گے۔ یہ تاویل عطاؒ سے مروی ہے۔ روایات میں اس حوض کے پانی کی وہی خصوصیات ملتی ہیں جو نہر کوثر کے پانی کے لیے بیان ہوئی ہیں۔ اس حوض پر بہت ہجوم ہوگا مگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتیوں کو ان کے وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کی چمک دمک سے پہچان لیں گے اور وہاں اپنی امت کی کثرت پر خوشی کا اظہار فرمائیں گے۔

حوض کوثر کے بارے میں بکثرت صحیح روایات موجود ہیں۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا:

انا فرطکم علی الحوض (متفق علیہ)
میں تم سے پہلے حوض پر ہوں گا۔

انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الی رجال منکم، حتیٰ اذا اھویت لاناولھم، اختلجوا دونی، فاقول ای رب اصحابی، یقول: لا تدری ما احدثوا بعدک۔
(بخاری، کتاب الفتن، عن ابی وائل عن عبد اللہ)

میں تم سے پہلے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا، کچھ لوگ میرے قریب لائے جائیں گے۔ جب میں انہیں پانی پلانا چاہوں گا تو وہ مجھ سے دُور ہٹا دیے جائیں گے، میں کہوں گا اے میرے رب! یہ تو میرے صحابہ ہیں، وہ فرمائے گا، تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد کیسے اعمال کیے ہیں۔

۳۔ کوثر سے مراد "خیر کثیر" ہے اور اس کا اطلاق دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے تمام انعامات و احسانات پر ہوتا ہے۔ اس تاویل کو حضرت ابن عباسؓ سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ اور مجاہد نے اختیار کیا ہے۔

ان اقوال میں تطبیق مذکورہ بالا تینوں اقوال میں سے پہلے اور دوسرے قول میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ نہر کوثر ہی سے یہ حوض جاری ہو۔ صحیح احادیث سے اس امر کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔

..... ثم قال اتدرون ما الکوثر؟ فقلنا: اللہ ورسولہ اعلم۔ قال: فانہ نھر وعدنیہ ربی عزوجل علیہ خیر کثیر ھو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامۃ آنیتہ عدد النجوم (مسلم کتاب الصلوٰۃ۔ عن انس)

..... پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ ایک نہر ہے جس (کے دینے) کا وعدہ خدائے عزوجل نے مجھ سے کیا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے اور یہی حوض ہے۔ قیامت کے روز میری امت اس پہ پہنچے گی۔ اس کے پیالے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔

حوضِ کوثر کے بارے میں ایک اور روایت ہے کہ:۔

یغت فیہ میزابان یمدانہ من الجنۃ احدھما من ذھب والاٰخر من ورق۔
(مسلم، کتاب الفضائل عن ثوبانؓ)

اس میں جنت سے دو نالیاں لا کر ڈال دی جائیں گی جو اسے پانی فراہم کریں گی۔ ان میں سے ایک سونے کی بنی ہوگی اور دوسری چاندی کی۔

اور اس روایت کی تصریح ملاحظہ ہو:

یفتح نہر من الکوثر الی الحوض	کوثر سے حوض کی جانب ایک نہر کھول دی جائے گی

(مسند احمد عن عبداللہ بن مسعودؓ)

پھر نہر کوثر اور خیر کثیر کی تاویلوں میں تطبیق دینا بہت آسان ہے۔ وہ اس طرح کہ نہر کوثر کو بھی خیر کثیر کے ان گنت انعامات میں سے ایک انعام سمجھا جائے اور یوں عام اور خاص میں مطابقت پیدا کی جائے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ سے یہی تطبیق منقول ہے:

حدثنا ابو بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ قال فی الکوثر ھو الخیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ، قال ابو بشر قلت لسعید بن جبیر فان الناس یزعمون انہ نہر فی الجنۃ، فقال سعید النہر الذی فی الجنۃ من الخیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ	ابو بشر نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کوثر کے بارے میں کہا کہ یہ وہ "خیر" ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو عطا کی۔ ابو بشر کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے تو سعید نے کہا کہ یہ جنت کی نہر بھی اسی "خیر" سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

(بخاری، کتاب التفسیر)

کوثر کی تاویل میں سلف سے اور بھی بہت سے اقوال منقول ہیں۔ ان سب کو امام قرطبی اور امام رازی نے اپنی اپنی تفسیروں میں جمع کر دیا ہے۔ ان میں کوثر سے مراد نبوت، قرآن، اسلام، حکمت، اولادِ نبیؐ، علماءِ اُمت، کثرتِ اُمت، کلمۂ طیبہ، سورۂ کوثر، حضورؐ کے فضائل، آپؐ کا علم، آپؐ کے اخلاقِ حسنہ، آپؐ کا حسنِ شہرت، دُنیا میں آپؐ پر ہونے والے تمام انعامات، آپؐ کی شفاعتِ کبریٰ، مقامِ محمود، نمازِ پنجگانہ وغیرہ لیے گئے ہیں۔ دورِ جدید میں امام فراہیؒ نے کوثر سے خانہ کعبہ مراد لیا ہے۔ ان کے نزدیک دنیا میں اس سے مراد خانہ کعبہ ہے اور آخرت میں جنت کی نہر کوثر اسی خانہ کعبہ کی روحانی تمثیل ہے۔

مندرجہ بالا تمام تاویلات دراصل 'خیر کثیر' کے مفہوم کو آثار و قرائن سے متشخص و متعین کرنے کی

کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ کوششیں اس لیے بھی ضروری سمجھی گئیں تاکہ ذہن کسی محسوس پیکر یا معلوم خیال کی طرف آسانی سے منتقل ہو سکے۔ اس کے لیے دنیا و آخرت میں جو عظیم نعمت بھی حضورؐ کو عطا ہوئی وہ 'کوثر' کہلائی۔ گویا یہاں بھی وہی معاملہ درپیش آیا کہ:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

لیکن لفظِ کوثر بلکہ الکوثر کی وسعتوں کو محدود کرنا، اس کی کثرتوں کو احاطۂ خیال میں لانا اور اس کے معنوی جلوؤں کو تصور کے پردۂ سیمیں پر لانا قطعاً ناممکن ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے مراد 'خیرِ کثیر' کا عمومی مفہوم ہی ہے اور ہم کوثر کے لیے اسی کو صحیح تاویل قرار دیتے ہیں۔ اس سے ان روایات کا انکار لازم نہیں آتا جن میں اس سے مراد جنت کی نہر یا حوض ہے۔ کوثر یعنی خیرِ کثیر میں اتنا وسیع ظرف موجود ہے کہ جس میں ہر چیز کی سمائی ہو سکتی ہے۔ گویا اس کی وہی کیفیت ہے کہ:

عبارا تنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذات الجمال یشیرُ

اس طرح کوثر کا یہ خواب اپنی تعبیروں کی کثرت کے باوصف پریشان نہیں ہوتا کیونکہ لغت کی رُو سے بھی یہی تاویل عمدہ ہے اور اسی سے قرآن، حدیث اور آثار سب میں توفیق و تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اب ہم سورۂ کوثر کی اس پوری آیت کو سامنے رکھتے ہوئے بعض خاص امور کی طرف مجمل اشارات کریں گے۔

الفاظ کا دروبست اور فصاحت و بلاغت سب سے پہلے الفاظ کے دروبست اور ان کی فصاحت و بلاغت پر غور کیجیے۔

آغاز میں حرفِ تاکید اِنَّ اور ضمیر جمع متکلم نَا یعنی اِنَّآ آیا ہے۔ کلامِ الٰہی میں اِنَّ کے آنے سے مزید تاکید پیدا ہو گئی ہے۔ ضمیر جمع متکلم کا استعمال لغت اور قرآن کی رُو سے کبھی جمع کے لیے اور کبھی تعظیم کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں یہ جمع کے لیے قطعاً نہیں آسکتی کیونکہ خدا تو ایک ہی ہے لہٰذا اسے یہاں صرف تعظیم ہی کے لیے ماننا پڑے گا۔ اس ضمیر نے اس امر کی طرف واضح اشارہ کر دیا کہ کوثر عطا کرنے والی ذات کوئی معمولی ذات نہیں بلکہ بہت بڑی ہستی ہے۔ اس لیے اس کا عطیہ بھی غیر معمولی ہوگا۔

پھر دیکھیے یہاں فعل کو مبتدا پر بھی مقدم کر دیا گیا ہے جس سے کلام میں خاص تاکید و توجہ پیدا ہو گئی ہے۔ قرآنِ حکیم میں تاکید و تخصیص پیدا کرنے کے لیے الفاظ کی تقدیم و تاخیر کر دینے کا اسلوب عام ہے اور فعل کو مبتدا پر مقدم کرنے کا اسلوب اسی کی ایک فرع ہے۔ اس کی ایک مثال سورۂ الحج کی آیت ۴۶ ہے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ

تو یہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

یہاں پر فَاِنَّ الْاَبْصَارَ لَا تَعْمٰى نہیں فرمایا گیا بلکہ فعل کو مبتدا پر مقدم کر کے اس سے تاکید کا مفہوم پیدا کیا گیا۔ پھر غور کیجیے اَعْطَیْنَا (ہم نے عطا کر دیا) فعل ماضی استعمال ہوا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ سَنُعْطِیْكَ (ہم عنقریب تجھے عطا کر دیں گے) بلکہ پیش گوئی کے امر کی واقعیت اور قطعیت ظاہر کرنے کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا کوثر عطا کرنے کا واقعہ رونما ہو چکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عطیہ مل گیا۔ قرآن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کو ان کی قطعیت کی بنا پر فعل ماضی میں بیان کرنے کا اسلوب بہت عام ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○ (الزمر-۶۹)

اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی اور کتاب رکھ دی گئی اور انبیاء اور گواہوں کو لے آیا گیا اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر کوئی ظلم ہونے والا نہیں۔

اس آیت میں اَشْرَقَتْ، وُضِعَ، جِایْٓءَ اور قُضِیَ سب فعل ماضی کے صیغے ہیں اور معاملے کی قطعیت کی وجہ سے استعمال ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ سارا واقعہ آئندہ قیامت کے روز پیش آنے والا ہے۔ لیکن بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا وہ ہو گیا۔

پھر دیکھیے "الکوثر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کثرت سے مبالغہ کا صیغہ ہے، اور اس کی کثرت اور وسعت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ لفظ کثرت در کثرت اور کثرت بالائے کثرت کا مفہوم رکھتا ہے پھر اسے معرّف باللام کر کے کثرت و برکت کی جمیع انواع کو سمیٹ لیا گیا ہے۔

پھر اس لفظ کوثر کو صفت کے طور پر لایا گیا اور اس کا موصوف حذف کر دیا گیا تاکہ ذہن انسانی خیر و برکت اور کثرت و فیضان کی کسی ایک چیز میں محدود نہ رہے بلکہ انسان کا خیال و تصور حسن بھلی اور مفید، کثیر اور

وسیع اشیاء کا احاطہ کر سکتا ہے وہ سب کی سب اس میں آگئیں۔ امام رازیؒ کے بقول اس میں خیرات الدنیا و خیرات الآخرۃ سب شامل ہیں۔

پھر ذرا تدبر کیجیے کہ کوثر کا یہ عطیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کی جزا کے طور پر نہیں دیا گیا اور نہ یہ آپؐ کے منصب رسالت و نبوت کے لحاظ سے آپؐ کو ملا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل اس طرح کی کوئی علت بیان نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا محض فضل و احسان ہی سمجھا جائے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ لفظ اَعْطَیْنٰكَ میں كَ کی ضمیر اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ کوثر کے اس عطیے کا خدا تعالیٰ کا محض فضل و احسان ہونا اور اس کا جزائے عمل نہ ہونا صاف طور پر بتاتا ہے کہ یہ کوئی عارضی اور محدود شے نہیں ہے بلکہ ایک مستقل، پائیدار اور غیر محدود چیز ہے کیونکہ کسی صالح سے صالح عمل کی جزا بھی بہر حال ایک مقررہ حد، مقدار اور وقت میں محدود ہوتی ہے۔ مزید برآں اعطاء کا لفظ اپنے اندر تملیک و تخصیص کا پہلو بھی رکھتا ہے۔ سورۂ صٓ میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (آیت ۳۹)

یہ ہماری بخشش ہے۔ پس (چاہے اب کسی کو اس میں سے کچھ دے کر) احسان کرے یا اپنے پاس رکھے، (اس کا تجھ سے) کوئی حساب نہیں (لیا جائے گا)

اگر یہاں سورہ میں اَعْطَیْنٰكَ کے بجائے اٰتَیْنٰكَ (ہم نے تجھے دے دیا) کا لفظ آیا ہوتا تو اس سے یہ مفہوم پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر غور فرمایئے کہ اس آیت کا اندازِ مخاطبت اپنے اندر کیا شرف و فضیلت رکھتا ہے۔ اس میں مخاطِب اور مخاطَب کے لیے اسمائے معرفہ کا نہیں بلکہ ضمائر کا استعمال ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے جب موسیٰ علیہ السلام کے شرف و مقام کا ذکر کیا تو فرمایا:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء ۴: ۱۶۴) اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا۔

مگر جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا تو یوں گویا ہوا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ہم نے تجھے کوثر عطا کر دیا۔

کلام کے دونوں انداز دیکھیے۔ ایک میں متکلم اور مخاطب کے لیے اسماء معرفہ آئے ہیں اور دوسرے

میں ضمائر استعمال ہوئے ہیں۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ ان میں کون سا خطاب زیادہ اشرف و افضل ہے اور اپنے اندر کیا امتیاز و خصوصیت رکھتا ہے؟

اس آیت پر یہ ایک سرسری نگاہ ہے جس سے اس کے الفاظ کا دروبست اور ان کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کوثر کی بشارت پروردگارِ عالم کی طرف سے کوثر کی یہ بشارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں اس وقت دی گئی جب آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر کفار قریش نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ سرزمین مکہ، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیلؑ کے ذریعے پرندوں تک کے لیے امن و سلامتی کا گہوارہ قرار دیا تھا، آج اُسی کو خلیل اللہ کے نام لیواؤں نے ملتِ ابراہیمی کے سچے پیروکاروں کے لیے ایک عظیم اذیت گاہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے ہر مسلمان کو تحقیر، نفرت، عداوت، سب و شتم اور تشدد کا نشانہ بنا پڑتا تھا۔ قریش مکہ کی رعونت کا یہ عالم تھا کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنی گم کردہ متاعِ حق کا بڑھ کر خیر مقدم کرتے، اُلٹا اس کا منہ چڑاتے تھے۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ اُن کے اندر ایک ایسے بے کس و بے نوا شخص نے ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے جس کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ اس لیے جب یہ خود دُنیا سے اُٹھ جائے گا تو اس کے ساتھ ہی یہ ہنگامہ بھی دفن ہو جائے گا۔ پھر اس کے ساتھی رہیں گے نہ اس کی یہ دعوت و تبلیغ باقی رہے گی۔

مگر یہ اُن کی خام خیالی تھی!

اللہ رب العالمین نے پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما دیا: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ گویا ہم نے تجھے اس سے بھی بہت زیادہ عطا کر دیا ہے جس قدر طلب و تمنا کی جا سکتی ہے۔ آپؐ کی جسمانی اولاد بھی قیامت تک باقی رہے گی اور روحانی اولاد کی کثرت آپؐ کے لیے آخرت میں بھی سرمایۂ افتخار ہو گی۔ دنیا میں فتح و نصرت، عزت و شوکت اور شہرت و برکت کا تاج بھی آپؐ ہی کے سر پہ ہے اور آخرت میں مقام و مرتبہ، رفعت و عظمت اور جنت و کوثر آپؐ ہی کے لیے چشم براہ ہیں۔ اس کے برعکس آپؐ کے دشمن دنیا میں بھی ذلیل و رسوا اور مغلوب و مرعوب ہوں گے اور عقبیٰ میں ذلت و نامرادی اور بدبختی و محرومی انہی کے لیے منتظر ہیں۔

ادارۂ ترجمان القرآن کی نئی پیشکش

جناب محمد صلاح الدین صاحب مدیر "جسارت"

کے قلم سے

بنیادی حقوق

پیش لفظ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

حرف آغاز

محمد صلاح الدین

کاغذ ولائتی — طباعت آفسٹ — کور خوبصورت

سائز ۱۸×۲۲

قیمت: بیس روپے

ادارۂ ترجمان القرآن۔ اچھرہ۔ لاہور

خوشخبری

ادارہ ہذا نے عوام کی بھرپور مانگ اور اسلامی لٹریچر کو عام آدمی تک پہنچانے کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ کی شہرۂ آفاق تصنیف "سیرت سرور عالم" کے دوسرے ایڈیشن کی قیمت میں حیرت انگیز کمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب "سیرت سرور عالم" قسم دوم کی دونوں جلدوں کی قیمت علاوہ ڈاک ۸۰/۰ روپے ہوگی۔ عام خریداروں کو اس پر ۲۰ فیصد رعایت بھی دی جائے گی۔ چنانچہ ادارہ ہذا سے ۶۴/۰ روپے میں مکمل سیٹ (جلد اول و دوم) دوسرا ایڈیشن تقریباً دو ماہ تک دستیاب ہوگا۔ بذریعہ ڈاک قیمت ۶۸/۰ روپے ہوگی۔ پیشگی بکنگ کی جارہی ہے۔ جس ترتیب سے پیشگی رقوم وصول ہونگی اسی ترتیب سے ترسیل ہوگی — لہٰذا تمام خریدار حضرات جلد از جلد پیشگی رقوم بھجوا کر مشکور فرمائیں۔ خریدار حضرات اپنا پتہ مکمل اور صاف لکھیں۔

منجانب:-

ناظم ادارہ ترجمان القرآن

اچھرہ لاہور